مولوی ساجد خان دیوبندی آف (کراچی)
کے اثر ابن عباس کی تصحیح وتائید کے رد میں عمدہ، متین،
تحقیقی، دندان شکن، مسقط، مسکت، معرکہ آرا،
ناقابل تردید دلائل سے مرصع تصنیف

سلسلہ اشاعت نمبر 7

الموسوم بہ

المقیاس فی تحقیق اثر ابن عباس

از قلم

محدث عصر، مناظر اھل سنت
حضرت علامہ مولانا قاری
ابواحمد محمد ارشد مسعود چشتی رضوی زید مجدہ

باھتمام
مقدام العلماء الاغیرین
حضرت علامہ مولانا ابوحفص پیر سید مظفر شاہ قادری
(دامت برکاتھم العالیہ)

مولوی ساجد خان دیوبندی آف (کراچی)

کے اثر ابن عباس کی تصحیح وتائید کے رد میں عمدہ، متین،

تحقیقی، دندان شکن، مسقط، مسکت، معرکہ آرا،

ناقابل تردید دلائل سے مرصع تصنیف

سلسلہ اشاعت نمبر 7

الموسوم بہ

المقیاس فی تحقیق اثر ابن عباس

از قلم

محدث عصر، مناظر اھل سنت

حضرت علامہ مولانا قاری

ابو احمد محمد ارشد مسعود چشتی رضوی زید مجدہ

باھتمام

مقدام العلماء الاغیرین

حضرت علامہ مولانا ابو حفص پیر سید مظفر شاہ قادری

(دامت برکاتھم العالیہ)

نام کتاب : المقیاس فی تحقیق اثر ابن عباس

مؤلف : مناظر اہل سنت حضرت علامہ مولانا قاری
ابو احمد محمد ارشد مسعود چشتی رضوی زید مجدہ

کمپوزنگ : اویس رضا کمپیوٹرز

تعداد : ۱۰۰۰ (ایک ہزار)

ھدیہ : ۲۰۰ روپے

سن اشاعت : ربیع الاول ۱۴۳۸ھ مطابق دسمبر ۲۰۱۶ء

ناشر : ادارہ تبلیغ اہل سنت حیدر آباد

رابطہ : 0334-2611558, 0315-3819232

فہرست

عرض ناشر

کچھ عرصہ قبل مولوی ساجد خان دیوبندی آف (کراچی) نے دار العلوم کراچی کے ماہنامہ ندائے دار العلوم (وقف) میں ایک مضمون اثر ابن عباس کی حمایت میں ۔ جس میں مذکورہ اثر کی تصحیح ثابت کرنے کی سعی لاحاصل کی ہے۔

موصوف نے ایڑی چوٹی کا زور تو صرف کیا کہ کسی طریقہ سے اثر ابن عباس کی تصحیح ثابت کر کے شیخ قاسم نانوتوی دیوبندی (جس کے خلاف امام اھل سنت اعلی حضرت علیہ الرحمۃ نے کفر کا فتوی دیا تھا اور علماے حرمین شریفین سے تصدیقات حاصل کی تھیں) کی رُسوائے زمانہ تصنیف تحذیر الناس جس میں ختم نبوت کے اجماعی معنی کو چیلنج کیا گیا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی اور نبی کے آنے بل کہ پیدا ہو جانے کے بعد بھی آپ کی خاتمیت پر فرق نہ آنا بتا گیا ہے کو صحیح ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے

العیاذ باللہ! یہ سب کچھ یقیناً مرزائی قادیانی فرقہ کو خوش کرنے کی مذموم سازش تھی جو کہ ختم نبوت بہ معنی ذاتی کو ثابت کرنے کے پردے میں کی گئی۔

گو کہ امام اھل سنت مجدد اعظم امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ والرضوان سے لے کر دیگر علماے اھل سنت نے اس موضوع کے رد وابطال میں کئی تصانیف تحریر فرمائی ہیں اور قاسم نانوتوی دیوبندی کے اس اختراعی عقیدہ کی خوب سرزنش کی ہے لیکن فقیر کی رائے میں ان پچھلی تمام کتابوں میں

نفس مسئلہ پر تو سیر حاصل بحث کی گئی لیکن اس مسئلہ کی اساس اثر ابن عباس جس میں چھ زمینوں کا ذکر ہے، کی فنی حیثیت پر اصول حدیث کی روشنی میں زیادہ وکلام نہیں کیا گیا تھا جس وجہ سے دیوبندی اس اثر کو ڈھال بنا کر اپنے باطل عقیدہ کو چھپاتے ہیں اور ساجد خان کا یہ مضمون بھی اسی کا شاخصانہ اور کڑی ہے۔

لیکن اللہ سبحانہ وتعالیٰ بھلا کرے محدث عصر نابغۂ روزگار حضرت علامہ مولانا قاری ارشد مسعود چشتی زید مجدہ کا جنہوں نے محدثین کے اصولوں سے مذکورہ اثر کی نہ صرف تضعیف ثابت کی ہے بل کہ ساجد خان دیوبندی کے جملہ ایرادات کا فاضلانہ بل کہ محدثانہ انداز میں رد بلیغ فرمایا ہے۔ جس سے یہ مسئلہ نکھر کر سامنے آ گیا ہے اور یہ بات اظہر من الشمس اور ابین من الامس ہو گئی ہے کہ اثر ابن عباس جو کہ اس مسئلہ کی اساس ہے وہ شاذ، منکر وضعیف ہے اور ہرگز قابل احتجاج نہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ علامہ صاحب کے علم وعمر میں برکتیں عطا فرمائے اور ان جیسے مخلص محققین کی اہل سنت وجماعت میں کثرت کرے۔

آمین

ابوالحسین محمد ظفر رضوی

عفاعنہ الرحمٰن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم الأمین ﷺ

أما بعد ؛

تیرھویں صدی ہجری کا نصف آخر تھا جب ہندوستان (برصغیر پاک وہند) میں محمد بن عبد الوہاب نجدی کی تحریک کوتقویت دینے کی غرض سے لکھی گئی کتابوں کے پیش نظر دو مسئلوں نے خوب کام دکھایا جس میں ایک مسئلہ امکان کذب جس کا تعلق ذات باری تعالی سے تھا اور دوسرا مسئلہ امتناع نظیر جس کا تعلق ذات مصطفوی ﷺ سے تھا شروع ہوئے جن میں ایک طرف شاہ اسماعیل دہلوی اور اس کے ہمنوا اور دوسری طرف مولانا فضل حق خیر آبادی اور ان کے ہمنوا تھے اسی بحث ومباحثہ میں جب بات طویل ہوئی تو شاہ اسماعیل دہلوی کے ہمنواؤں میں سے بقول بعض نذیر حسین دہلوی غیر مقلد (متوفی ۱۳۲۰ھ) نے بمطابق ۱۲۸۰ھ سے ۱۲۸۴ھ کے درمیانی عرصہ میں ایک اثر جو مفسر قرآن حضرت سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب روایت کیا گیا ہے جس کا ماحاصل یہ تھا کہ: ''اللہ تعالی نے سات زمینیں پیدا کی ہیں اور ہر زمین میں تمہارے آدم کی طرح آدم، تمہارے نوح کی طرح نوح ۔۔۔ الخ۔ پیش کیا (جس کے متعلق اب بھی نذیر حسین دہلوی کے فتاوی کی پہلی جلد کے صفحہ ۶۵ تا ۶۷ میں ایک مضمون موجود ہے) جس کو بعد میں بحث ومباحثہ میں پیش کیے جانے لگا اور پھر اسی اثر کو نذیر حسین دہلوی کی ایک شاگرد میاں امیر حسن سہسوانی غیر مقلد (متوفی ۱۲۹۱ھ) نے ایک رسالہ افادات ترابیہ لکھا جو ان کے شاگرد تراب علی خان پوری (متوفیٰ) کے نام سے ۱۲۸۶ھ میرٹھ سے شائع ہوا

جس کے بعض مذکور اثر ابن عباس کے متعلق بحث و تمحیص شروع ہوئی جس کے نتیجہ میں مناظرے بھی ہوتے رہے (مناظرہ احمدیہ، ومناظرہ صمدیہ) اور اس رسالہ افادات ترابیہ کا رد حافظ بخاری سید شاہ عبد الصمد چشتی مودودی سہسوانی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۳۲۳ھ) نے ''افادات صمدیہ'' کے نام سے تحریر فرمایا پھر اس مسئلہ میں مولوی احسن نانوتوی (متوفی ۱۳۱۲ھ) بھی امیر حسن سہسوانی کی حمایت میں کھڑے ہوئے اور فریقین کی طرف سے مختلف اشتہارات اور تحریریں معرض وجود میں آئیں جن کی تفصیل ''تنبیہ الجہال بالہام الباسط المتعال'' مؤلفہ حافظ بخش آنولوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۳۳۹ھ) میں موجود ہے اسی دوران مولوی قاسم نانوتوی (متوفی ۱۲۹۷ھ) نے احسن نانوتوی کو ایک خط کا جواب دیا جس سے'' تحذیر الناس من انکار اثر ابن عباس ''معرض وجود میں آئی گو مولوی قاسم نانوتوی اس کی اشاعت سے راضی نہیں تھے مگر جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔

دوسری طرف علامہ عبدالحی لکھنوی نے بھی اسی اثر کو اپنی کتب مثل فتاوی، دافع الوسواس اور زجر الناس میں ذکر کیا اور اس کی صحت ثابت کرنے کی کوشش کی اور اس بارے میں تحقیق پیش کیں جس کا جواب مولوی اسحاق بن افضل دہلوی کے شاگرد رشید علامہ محمد بن احمد اللہ تھانوی (متوفی ۱۲۹۶ھ) نے ''قسطاس فی موانۃ اثر ابن عباس'' تحریر کیا جو کہ ''اعلی پریس میرٹھ'' سے شائع ہوا۔

پھر مناظروں اور مجادلوں کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا جس کے نتیجہ میں مولوی قاسم نانوتوی اور مولانا محمد شاہ پنجابی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی) کے درمیان دہلی میں ایک مناظرہ ہوا جس

کے بعد ''ابطال اغلاط قاسمیہ'' وغیرہ معرض وجود میں آئیں پھر مولانا عبد الغفار لکھنوی کانپوری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۳۱۲ھ) کا ''فتاوی بے نظیر'' معرض وجود میں آیا پھر ایک وقت آیا کہ اس مسئلہ میں خاموشی چھا گئی مگر اب پھر اس مسئلہ کی بنیادی دلیل اور مسئلہ ھذا کو نہ صرف ہوا دی جا رہی ہے بلکہ اس مسئلہ میں عوام کو بھی الجھانے کی کوششیں تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی ہیں۔

آج سے چند روز قبل محترم المقام برادر اصغر جناب محمد ظفر رضوی مدظلہ العالی نے ایک ای میل (Email) بھیجی جس کا موضوع ''تحقیق اثر ابن عباس رضی اللہ عنہما'' تھا جو کسی ساجد خان نامی دیوبندی آدمی کی طرف سے ''ماہنامہ ندائے دار العلوم (وقف) دیوبند'' میں شائع کیا یا کروایا گیا تھا جس میں مضمون نگار نے اپنی ایڑی چوٹی کا زور صرف کر کے قاسم نانوتوی دیوبندی کی کتاب ''تحذیر الناس من انکار اثر ابن عباس'' میں بیان کردہ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت کردہ ایک قول کی تصحیح کو ثابت کرنے کی سعی لاحاصل کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض ناعاقبت اندیش ابھی تک قرآن مجید فرقان حمید میں موجود صریح حکم اور معنوی اعتبار سے احادیث متواترہ کی موجودگی کے باوجود اپنے ناپاک عزائم یعنی خاتم الانبیاء والمرسلین حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کی ختم نبوت کو کتب اسلامیہ میں مروی بعض غیر ثابت شدہ اقوال کے تحت مشکوک قرار دینے کی کوششوں میں نہ صرف مصروف ہیں بلکہ اُمت مسلمہ کے ایک اتفاقی واجماعی مسئلہ کو بھی مشکوک واختلافی بنانے کے درپے ہیں۔

دیوبندی محدث اور اثر ابن عباس رضی اللہ عنہما

صاحب مضمون اگر اپنے ہی بزرگوں کی تعلیمات سے آگاہ ہوتا اور کچھ فہم وفراست کا

ادراک رکھتا تو کبھی بھی ایک ایسے مسئلہ جس میں اس کے اپنے ہی نہ صرف متردد نظر آتے ہیں بلکہ یہ کہتے چلے گئے ہیں کہ" والحاصل أنا إذا وجدنا الأثر المذكور شاذا لا يتعلق به أمر من صلاتنا وصيامنا ، ولا يتوقف عليه شيء من إيماننا رأينا أن نترك شرحه"۔

بلکہ اس سے بھی بڑھ کر لکھا ہے کہ:" فلا ينبغي للإنسان أن يعجز نفسه في شرحه ، مع كونه شاذا بالمرة" .

یہ لکھنے والا کوئی غیر نہیں بلکہ ساجد خان کے اپنے ہی گھر کے بزرگوار نانوتویوں، دیوبندیوں کے محدث جناب انور شاہ کاشمیری ہیں جنہوں نے اپنی تصنیف "فیض الباری علی صحیح البخاری" میں زمین کے طبقات کی تحقیق کے تحت طویل گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ:

میں (انور شاہ کاشمیری) کہتا ہوں یہ اثر شاذ بالمرہ ہے، اور ہمارے لیے جس پر ایمان لانا واجب ہے وہ وہی ہے جو ہمارے نزدیک نبی اکرم ﷺ سے ثابت ہے۔ پس اگر قطعی ثبوت ہو تو اس کے منکر کی ہم تکفیر کریں گے ورنہ ہم اس پر بدعتی کا حکم کریں گے۔ اور اس کے علاوہ جو نبی اکرم ﷺ سے ثابت نہیں ہے اس کو ماننا اور اس پر ایمان لانا ہم پر لازم نہیں ہے اور میں گمان کرتا ہوں کہ یہ اثر قرآن مجید کے ابہام اور حدیث کی تصریح سے مرکب ہے، پس ارشاد ربانی ہے کہ: ﴿مثلهن﴾ اور حدیث نے ان کے سات ہونے کی تصریح کی ہے پس تفصیل مذکورہ مرکب ہوگئی اس سے حدیث میں۔

اور ظاہر ہے کہ یہ مرفوع نہیں ہے اور جب ہمارے لیے اس کا منشأ ظاہر ہو گیا تو انسان کو

مناسب نہیں کہ اپنے نفس کو اس کی شرح کرنے میں عاجز کرے، حالانکہ وہ شاذ بالمرہ ہے ۔اور مولانا نانوتوی نے اس کی شرح میں مستقل ایک رسالہ تالیف کیا جس کا نام "تحذیر الناس عن انکار أثر ابن عباس" رکھا ہے، اور اس میں تحقیق کی ہے کہ بیشک آپ ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کے منافی نہیں کہ کسی اور زمین میں کوئی اور خاتم النبیین ہو، جیسا کہ اثر ابن عباس میں مذکور ہے۔ اور مولانا نانوتوی کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر زمین کے لئے بھی ایسے ہی الگ آسمان ہے جیسا کہ ہماری زمین کے لئے، اور قرآن مجید سے ساتوں آسمان کا ہونا اسی زمین کے لئے ظاہر ہوتا ہے، کیونکہ ساتوں بالترتیب اسی طرح زمینوں پر ہیں۔

اور حاصل کلام یہ کہ جب ہم نے اس اثر مذکور کو شاذ پایا، اور اس امر کے ساتھ ہماری نماز اور روزہ کا تعلق بھی نہیں ہے اور ہمارے ایمان میں سے کوئی چیز اس پر موقوف بھی نہیں ہے اسی وجہ سے ہم اس کی شرح کو چھوڑتے ہیں، انتھی۔

انور شاہ کاشمیری دیوبندی کے بقول

اولاً: یہ اثر ہے جو کہ مرفوع نہیں ہے۔

ثانیاً: یہ اثر شاذ بالمرہ ہے۔

ثالثاً: اس کی شرح میں پڑنا اپنے آپ کو عاجز کرنے کے مترادف ہے۔

رابعاً: نانوتوی کا کلام کچھ ظاہر کرتا ہے اور قرآن مجید سے کچھ اور ظاہر ہوتا ہے۔

خامساً: اس کی شرح و وضاحت میں پڑ کر نانوتوی وغیرہ نے ایک بے فائدہ کام کیا ہے۔

ساجد خان نامی شخص نے جو اپنے بزرگوار نانوتوی کی اتباع میں اس اثر ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالہ سے اپنی تحقیق منوانے کی لا یعنی کوشش کی ہے دراصل یہ اس کی اپنی علمی

بے مائیگی ،ضد وتعصب کو آشکار کررہی ہے کہ جس کے بارے میں ان کے اپنے بزرگوں نے ہی ان کے بزرگوار نانوتوی کے کلام کو بے فائدہ خیال کیا بلکہ یہاں تک کہہ دیا کہ :''نانوتوی کا کلام کچھ ظاہر کررہا ہے اور قرآن مجید کچھ اور'' پس ایسے مسئلہ کو ہوا دینا ساجد خان کی ضد وتعصب اور اپنوں کی باتوں سے ہی لاعلمی کو واضح کرتی ہے۔

بہر حال آیئے! ہم ساجد خان کی طرف سے بیان کردہ تصحیحات کو دیکھتے ہیں۔

☆ ساجد خان نے لکھا کہ:''امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث سند کے اعتبار سے صحیح ہے اور امام ذہبیؒ نے بھی تلخیص میں اس کو صحیح کہا''۔(صفحہ ۱۸)

☆☆ ساجد خان کو چاہئے تھا کہ پہلے اپنے بزرگوں کی کتب کا مطالعہ کرتا اور دیکھتا کہ ان مذکورہ ائمہ ومحدثین کے متعلق میرے بزرگوں کے خیالات ونظریات کیا ہے ساجد خان کے بڑے تو ان کو جھوٹا اور باطل نظریات کا حامل سمجھتے ہیں جب اس کے بزرگوں کے نزدیک ان آئمہ ومحدثین کی حالت یہ ہے کہ وہ اپنے باطل نظریات کے ثبوت کے لئے جھوٹ بھی بولتے تھے (نعوذ باللہ من ذلک) جیسا کہ حبیب اللہ ڈیروی دیوبندی نے لکھا ہے کہ:

''قارئین کرام اس عبارت میں حضرت امام بیہقیؒ نے زبردست خیانت کا ارتکاب کیا ہے ۔۔۔۔قارئین کرام اندازہ کریں جو (عبارت) دراصل ذکر کرنی تھی وہ حضرت بیہقی نے چھوڑ دی کیونکہ یہ ان کے باطل نظریہ پر زد پڑتی تھی بیہقی ،حاکم ،ابو علی کا یہ جھوٹا دعوی ہے۔۔۔۔اس لئے حضرت بیہقی نے اس عبارت کو کاٹ دیا تا کہ ان کے جھوٹے دعوے کی قطعی (قلعی) نہ کھل جائے''۔(توضیح الکلام پر ایک نظر ۱۳۷)

وہ لوگ جو ساجد خان کے بزرگوں کی نظر میں خیانت کا ارتکاب کرنے والے، باطل نظریات کے حامل، جھوٹے دعوے کرنے والے ان سے ساجد خان کا تصحیح نقل کرنا چہ معنی دارد؟

☆ ساجد خان نے لکھا کہ: ''امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث سند کے اعتبار سے صحیح ہے۔ اور امام ذہبیؒ نے بھی تلخیص میں اس کو صحیح کہا ہے''۔
(تحقیق اثر ابن عباس رضی اللہ عنہما صفحہ ۱۸، ز ساجد خان)

☆☆ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کی تصحیح کے متعلق ساجد خان کے بزرگوار شیخ الحدیث سرفراز خان صفدر نے لکھا ہے کہ:

''علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ امام حاکمؒ مستدرک میں موضوع اور جعلی حدیثوں تک کی تصحیح کر جاتے ہیں (تذکرہ جلد ۳ ص ۲۳۱) اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ امام حاکمؒ ساقط الاعتبار حدیثوں کی بھی تصحیح کر جاتے ہیں (میزان جلد ۳ ص ۸۵) شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ امام حاکمؒ موضوع اور جعلی حدیثوں کی بھی تصحیح کر جاتے ہیں (کتاب التوسل ص ۱۰۱) علامہ ابن دحیہؒ کہتے ہیں کہ امام حاکمؒ کثیر الغلط تھے ان کے قول سے گریز کرنا چاہئے (مقدمہ زیلعی ص ۱۱) نواب صدیق حسن خان صاحبؒ لکھتے ہیں کہ تصحیح حاکمؒ پیش علماء حدیث بدون شہادت دیگر آئمہ فن لیس بشیء است (دلیل الطالب ۶۱۸) مبارکپوری صاحبؒ ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ حاکم کی تصحیح میں کلام ہے (ابکار ص ۶۴) اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ امام حاکمؒ کا تساہل علماء فن کے نزدیک معروف ومشہور ہے (ایضا ۲۳۶) مؤلف خیر الکلام لکھتے ہیں اسی طرح امام حاکمؒ کی تصحیح بھی قابل تنقید ہے۔ الخ (ص ۲۴۳)

(احسن الکلام فی ترک القراءۃ خلف الامام جلد ۲ صفحہ ۱۱۵۔

۱۱۶ وفی نسخة : ۵۴۰،مکتبہ صفدریہ، نصرۃ العلوم گوجرنوالہ)

ساجد خان کی پارٹی جس کو مناظر اسلام کہتی و سمجھتی ہے اس حبیب اللہ ڈیروی نے لکھا ہے کہ:

"امام حاکم کثیر الغلط ہیں مستدرک میں انہوں نے کافی غلطیاں کی ہیں بعض دفعہ ضعیف بلکہ موضوع حدیث کو صحیح علی شرط الشیخین کہہ دیتے ہیں۔۔۔"۔

(نور الصباح فی ترک رفع الیدین بعد الافتتاح ۶۲۔۶۳، مدنی کتب خانہ نور مارکیٹ گوجرانوالہ)

قارئین کرام! امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کی تصحیح کے بارے میں ساجد خان کے اپنے بزرگ ہی امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کی تصحیح کو ساقط الاعتبار لکھتے ہیں تو امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کی تصحیح ساجد خان کے لئے کسی لحاظ سے بھی سودمند ثابت نہیں ہوسکتی۔

☆☆ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کا تلخیص میں امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کی موافقت کرنا بھی یہاں ساجد خان کو کوئی فائدہ نہیں دے سکتا کیوں کہ کئی مقامات پر امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کی تلخیص میں موافقت فرمائی ہے مگر خود ہی اپنی دوسری کتب مثل میزان، کاشف، المغنی وغیرہ میں اس کے کسی نہ کسی راوی پر جرح بھی نقل کی، اور بعض اوقات اپنی دوسری کتب میں اس پر کوئی اور حکم لگایا ہے۔

جیسا کہ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے "مستدرک جلد ۱ صفحہ ۴۹۲، دار المعرفۃ، بیروت" میں ایک روایت "أخبرنا أبو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الزاھد الأصبھانی ثنا

أبو بكر عبد الله بن محمد بن عبيد القرشي ثنا الحسن بن حماد الضبي ثنا محمد بن الحسن بن الزبير الهمداني ثنا جعفر بن محمد بن علي بن الحسين عن أبيه عن جده عن علي رضي الله عنه ....الخ ." کی سند سے بیان کی اوراس کی تصحیح بھی فرمائی ہے کہ:"هذا حديث صحيح فإن محمد بن الحسن هذا هو التل أو هو صدوق في الكوفيين" اورامام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی موافقت فرمائی ہے کہ: "صحيح"۔

مگر "میزان الاعتدال جلد ۳ صفحہ ۵۱۲۔۵۱۴ برقم (۷۳۷۲۔۷۳۸۲)، المکتبة الأثرية، سانگلہ ہل" میں محمد بن الحسن بن التل، وابن أبي يزيد الهمدانی الکوفی کے ترجموں میں اسی روایت کو ذکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ: "أخرجه الحاكم وصححه وفيه انقطاع"۔

یعنی امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا اخراج کیا اوراس کی تصحیح بھی کی اوراس میں انقطاع ہے۔

☆☆ یونہی امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ ایک روایت مندرجہ ذیل سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:"أخبرني عبد الرحمن بن الحسن القاضي بهمدان ثنا عمير بن مرداس ثنا عبد الله بن نافع الصائغ حدثني إسحاق بن يحيى بن طلحة بن عبيد الله عن عمه موسى بن طلحة عن معاذ رضي الله عنه ....الخ .

(مستدرك جلد ١ صفحه ٤٠١، دار المعرفة بيروت)

اس روایت کے بارے میں فرمایا کہ :"هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه وله شاهد بإسناد صحيح" ۔اورامام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ تلخیص میں

فرماتے کہ: "صحیح".

جبکہ خود ہی اس کے ایک راوی "اسحاق بن یحییٰ بن طلحہ" کے بارے میں لکھتے ہیں کہ :"شیخ ابن المبارک قال أحمد وغیرہ متروک". (المغنی فی الضعفاء ۷۵)، اور "ضعفوہ" (الکاشف ۲۳۹)، اور "قال أحمد متروک" (دیوان الضعفاء ۲۹) اور میزان الاعتدال میں بھی کسی سے کوئی قابل اعتماد توثیق بیان نہیں کی اور اسی طرح تاریخ الاسلام میں بھی۔

☆☆ یونہی امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ سے تلخیص میں بعض ایسے تساہل ہوئے ہیں کہ بعض متہم راویوں کی روایات کو بھی امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کی موافقت میں صحیح کہہ گئے مگر اپنی دوسری کتابوں میں ان پر جرح نقل کی، جیسا کہ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ مستدرک جلد۲ صفحہ ۱۷۸، دارالمعرفۃ، بیروت" میں ایک روایت "حدثنا أبو العباس محمد بن یعقوب ثنا أحمد بن عیسی بن زید اللخمی بتنیس ثنا عمرو بن أبی سلمۃ ثنا زھیر بن (ابن)محمد ثنا حمید الطویل ورجل آخر عن أنس بن مالک رضی اللہ عنہ ....". کی سند سے بیان کی اور اس کے بارے میں لکھا ہے کہ:"ھذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین ولم یخرجاہ" . اور امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے تلخیص میں اس کو برقرار رکھتے ہوئے "خ م" لکھا ہے۔

مگر خود ہی اس کے ایک راوی "احمد بن عیسی بن زید اللخمی" کے بارے میں میزان الاعتدال برقم (۵۰۸)، والمغنی فی الضعفاء ۵۱، میں امام ابن عدی، دار قطنی اور ابن حبان رحمۃ اللہ علیہما سے تضعیف نقل کرتے ہیں اور ابن طاہر رحمۃ اللہ علیہ سے اس کے لئے

"کذاب ، یضع الحدیث" کے لفظ ذکر کرتے ہیں بلکہ المغنی میں تو فرماتے ہیں کہ :"قلت : نعم رأیت للخشاب فی موضوعات ابن الجوزی الامناء ثلاثة انا وجبریل ومعاویة فصدق ابن طاهر" . ہوسکتا ہے کہ کسی کے ذہن میں سوال اُٹھ بیٹھے کہ وہاں "اللخمی "نہیں بلکہ "التنیسی الخشاب "ہے۔

پس عرض یہ ہے کہ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ ہی اپنی دوسری کتاب ''تاریخ الاسلام، الوفاۃ :۲۷۱۔۲۸۰ھ برقم (۴۴) جلد۶ صفحہ ۹۰ دار الغرب الاسلامی'' میں لکھتے ہیں :"أحمد بن عیسی بن زید اللخمی الخشاب التنیسی" . لہذا یہ کہنا کہ احمد بن عیسیٰ ''التنیسی'' اور ہے اور ''اللخمی'' اور غلط ہوگا کیونکہ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ ایک ہی شخص ہے، واللہ أعلم۔

یونہی امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ مستدرک جلد۴ صفحہ ۱۴۴ برقم (۷۱۷۲) ایک روایت مندرجہ ذیل سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں ''حدثنا أبو العباس محمد بن یعقوب ثنا إبراهیم بن منقذ الخولانی بمصر ،ثنا إدریس بن یحیی الخولانی ، حدثنی رجاء بن أبی عطاء ، عن واهب بن عبد الله الکعبی ، عن عبد الله بن عمرو بن العاص رضی الله عنه قال : قال رسول الله ﷺ:۔۔الخ ۔اس روایت کی امام حاکم اور ذہبی رحمۃ اللہ علیہما دونوں نے تصحیح کی ہے مگر امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ خود ہی ''میزان الاعتدال جلد۲ صفحہ ۴۶، المکتبۃ الأثریۃ، سانگلہ ہل'' میں ''رجاء بن أبی عطاء المصری کے ترجمہ میں اس پر امام حاکم اور ابن حبان رحمۃ اللہ علیہما کی جرح نقل کرنے کے بعد اسی روایت کو ادریس بن یحییٰ الخولانی کے طریق سے نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:''هذا حدیث غریب منکر ، تفرد به ادریس أحد الزهاد۔

اسی طرح امام حاکم مستدرک ۴/ ۳۵۸ برقم (۷۹۱۱) میں ایک روایت مندرجہ ذیل سند سے نقل کرتے اور اس کی تصحیح کرتے ہیں اور امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ تلخیص میں ان سے موافقت کرتے ہیں ''حدثنی إبراهيم بن إسماعيل القاری ، ثنا عثمان بن سعيد الدارمی ، ثنا أبو أيوب سليمان بن عبد الرحمن الدمشقی ، ثنا خالد بن يزيد بن عبد الرحمن بن أبی مالک الدمشقی عن أبيه عن عطاء بن أبی رباح عن أبی سعيد رضی الله عنه۔۔۔الخ۔ جبکہ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے خود نے ہی ''سیر أعلام النبلاء جلد ۹ صفحہ ۱۶۷ برقم (۱۸۴۶)، دار الحدیث، القاهرة''، سلیمان بن عبد الرحمٰن کے ترجمہ میں امام ابن معین رحمۃ اللہ علیہ سے اس کی تضعیف نقل کی اور کسی بھی امام فن سے توثیق ذکر نہیں کی، اسی روایت کو ذکر کیا اور اس کے بارے میں خود فرمایا: ''غريب جدا و خالد دمشقی ، ضعفه يحيى بن معين''۔

پس واضح ہو گیا کہ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ سے مستدرک کی تلخیص میں بعض مقامات پر تساہل ہوا ہے، مگر اس اثر کے بارے میں تو حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ خود ہی اپنی ایک اور کتاب میں لکھتے ہیں کہ:

''ورواه عطاء بن السائب مطولا بزيادة ،غير أننا لا نعتقد ذلک أصلا .....شريک وعطاء فيهما لين لا يبلغ بهما رد حديثهما ،وهذه بلية تحير السامع ، كتبتها استطرادا للتعجب ،وهو من قبيل اسمع واسكت ''۔

(العلو للعلی الغفار ص ۷۵ ،مکتبة أضواء السلف ،الرياض)

اوراس کوعطاء بن سائب نے زیادت کے ساتھ تفصیلاً بھی روایت کیا ہے سوائے اس کے کہ ہم اس پر اصلا اعتقاد نہیں رکھتے اور شریک اور عطاء ان دونوں میں کمزوری ہے مگر یہ نہیں کہ ان کی حدیث کورد کر دیا جائے اور یہ بات سننے والے کے لئے حیران کن ہے میں نے اس کو دوران گفتگو صرف تعجب کے لئے لکھا ہے اور یہ اس قبیل سے ہے کہ تو سن اور چپ رہ۔

کیوں جناب! امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ تو اس کو سن کر چپ رہنے کا کہہ رہے ہیں مگر ساجد خان اور نانوتوی صاحب ہیں کہ ایک نئی تحقیق پیش کرنے کے درپے ہیں جس سے بقول ان کے اپنوں کے قرآن کی بھی مخالفت ہو رہی ہے۔

ساجد خان کی تسلی کے لیے ان کے اپنے گھر سے حوالہ پیش کر دیتے ہیں کہ یہ اپنے فائدے کے لئے امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی تضعیف وتصحیح کا اعتبار بھی نہیں کرتے جیسا کہ الیاس گھمن نے اپنے رسالے "عقائد اهل السنة و الجماعة" میں حضرت آدم علیہ السلام کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ پیش کرنے والی روایت جسے امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح قرار دیا جبکہ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے موضوع قرار دیا۔

مگر گھمن نے علامہ ذہبی کی مان کر اسے موضوع تسلیم نہیں کیا بلکہ کہا یہ ضعیف ہے۔(عقائد اهل السنة و الجماعة،ص)

یاد رہے یہ وہی رسالہ ہے جس پر ساجد خان کے بڑے بڑوں کی تصدیقات درج ہیں۔

☆ساجد خان نے لکھا کہ:"امام بیہقیؒ اس روایت کے متعلق فرماتے ہیں: صحیح (۳) یہ روایت صحیح ہے(صفحہ ۱۸)

☆☆امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اس اثر کو اپنی کتاب "الأسماء و الصفات" میں

"ابی الضحی عن ابن عباس رضی اللہ عنہما" سے دوسندوں کے ساتھ بیان فرمایا دوسری سند سے بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں: "**إسناد هذا عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنهما صحيح ، وهو شاذ بمرة لا أعلم لأبی الضحی علیه متابعا واللّٰہ أعلم**".

(كتاب الأسماء والصفات ، ج۲ ، ص۲۶۸، ۲۶۷ ، رقم الحديث ۸۳۲، ۸۳۱ ، مكتبة السوادی ، جدة ، المملكة العربية السعودية ،و فی نسخة : ج۲ ص ۱۳۱ ، ۱۳۲ ، المكتبة الأثرية جامع مسجداهلحديث با غ والی ، سانگله هل)

قارئین کرام! ساجد خان کی بد دیانتی کہیں یا کم علمی امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: "**إسناد هذا عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنهما صحيح**" یہ سند ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح ہے" مگر ساجد خان لکھتا ہے کہ: "یہ روایت صحیح ہے"۔ جس شخص کی علمی قابلیت کا عالم یہ ہے کہ سند، اور روایت کے فرق سے واقف نہیں وہ دوسروں کو علمی بے مائیگی کے طعن کرے تو یہی کہا جا سکتا ہے کہ

مشابہ کوئی ان آنکھوں سے کم ہے یہ نرگس ہے سو مرفوع القلم ہے

پھر امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے صرف یہی نہیں کہا ہے کہ: "**إسناد هذا عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنهما صحيح**" بلکہ اس کے آگے فرمایا ہے کہ: "**وهو شاذ بمرة لا أعلم لأبی الضحی علیه متابعا واللّٰہ أعلم**". یعنی یہ شاذ بالمرہ ہے میں نہیں جانتا کہ ابوالضحی کی اس پر کسی نے متابعت کی ہو، واللہ اعلم۔ ان تمام الفاظ کو ساجد خان جان

بوجھ کر چھوڑ گیا کہ کہیں میری ساری تحقیق شروع میں ہی دھری نہ رہ جائے یا پھر بیچارے نے کسی خائن کی کتاب سے صرف لفظ صحیح دیکھ کر اس کو لکھ دیا اب بہتر تو وہی جانتا ہے۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات کے بارے میں ساجد خان کے ایک بزرگ کے خیالات ملاحظہ فرمائیں:

امام دیوبند سرفراز خان صفدر نے لکھا ہے کہ: "امام بیہقیؒ نے بھی اس حدیث کی تصحیح کی ہے مگر ان کی یہ تصحیح بھی قابل اعتماد نہیں ہے کیونکہ سند کا حال آپ دیکھ ہی چکے ہیں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ قاعدہ جلیلہ میں لکھتے ہیں کہ امام بیہقیؒ تعصب سے کام لیتے ہیں اور بسا اوقات ایسی روایتوں سے احتجاج کرتے ہیں کہ اگر ان کا کوئی مخالف ان سے استدلال کرے تو اس کی تمام کمزوریاں ظاہر کئے بغیر ان کو چین نہ آئے ۔۔۔آگے لکھا کہ: مبارک پوری صاحبؒ لکھتے ہیں امام بیہقیؒ اگرچہ محدث مشہور ہیں مگر ان کا کوئی قول بلا دلیل معتبر نہیں ہوسکتا۔۔

(احسن الکلام ۵۴۰-۵۴۱ مکتبہ صفدریہ نزد مدرسہ نصرۃ العلوم گھنٹہ گھر ، گوجرانوالہ)

بلکہ ساجد خان کے ہی ایک اور بزرگ حبیب اللہ ڈیروی نے لکھا ہے کہ: "قارئین کرام اس عبارت میں حضرت امام بیہقیؒ نے زبردست خیانت کا ارتکاب کیا ہے۔۔۔۔۔ قارئین کرام اندازہ کریں جو (عبارت) دراصل ذکر کرنی تھی وہ حضرت بیہقی نے چھوڑ دی کیونکہ یہ ان کے باطل نظریہ پر زد پڑتی تھی، بیہقی حاکم ابو علی کا یہ جھوٹا دعوی ہے کہ مکحول نے محمود بن الربیع سے سنا ہے۔۔۔

(توضیح الکلام پر ایک نظر صفحہ ۱۳۶-۱۳۷)

اسی صاحب نے ایک مقام پر لکھا ہے کہ: "اب قارئین کرام سوچیں گے کہ امام بیھقی اتنا مشہور محدث وسیع المطالعہ اس کی نظر سے جعفر بن الزبیر کا معاملہ کیسے مخفی رہا۔ تو حقیقت یہ ہے کہ حضرت بیھقی نے جان بوجھ کر یہ جھوٹی روایت اپنے مذہب کو سہارا دینے کے لئے ذکر کی ہے۔ (توضیح الکلام پر ایک نظر)

جو ساجد خان کے بزرگوں کی نظر میں جھوٹ بولتا ہو اس کی عدالت ساجد خان کی نظر میں برقرار رہے گی؟

اس پر سوال تو کئی کیے جاسکتے ہیں مگر ساجد خان یہی بتائے کہ کیا اس کے مسلک میں جان بوجھ کر جھوٹ بولنے والے کی عدالت برقرار رہتی ہے جو ساجد خان نے امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ سے اثر ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تصحیح کو کتر بیونت کر کے پیش کر دیا؟۔

☆ ساجد خان نے لکھا کہ: "علامہ زرقانیؒ سے سوال ہوا کہ کیا سات آسمانوں کی طرح سات زمینیں ہیں اور کیا ان میں مخلوقات بھی ہیں؟

تو فرمایا جی ہاں اور ابن حجر کے حوالے سے فرمایا کہ اس پر یہ روایت دلالت کرتی ہے جو ابن عباسؓ سے مختصراً و مطولاً منقول ہے اور پھر امام بیہقیؒ کے حوالے سے اس روایت کی تصحیح نقل کی ہے"۔ (صفحہ ۱۸)

☆☆ امام زرقانی رحمۃ اللہ علیہ کا جو حوالہ ساجد خان نے دیا ہے اسی کے حاشیہ میں اس کے محقق محمد رفیق الحسینی نے لکھا ہے کہ:

"إسناده ضعيف : رواه الحاكم برقم (۳۸۲۲) والبيهقي في الأسماء

والصفات برقم (۷۹۹. ۸۰۰)وقال : إسناده هذا عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنهما صحيح ، وهو شاذ بمرة ، لأعلم لأبی الضحى عليه متابعا ، واللّٰہ أعلم".

(أجوبة الزرقانی علی أسئلة وردت من المغرب (لقاء العشر الأواخر بالمسجد الحرام ١٤٣) ص ٨٤)

مگر تعصب وعناد، بغض وحسد کی عینک جب کوئی اُتارنا ہی نہ چاہے تو واضح ترین دلائل و براہین بھی اس کو نظر نہیں آتے یہی وجہ ہے کہ ساجد خان نے امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب سے حوالہ نقل کیا تو کتر بیونت سے کام لیا اسی طرح یہاں بھی۔

اب امام زرقانی رحمۃ اللہ علیہ کا جواب ملاحظہ فرمائیں:

الجواب : قال اللّٰہ تعالی :﴿أللّٰہ الذی خلق سموات ومن الأرض مثلهن﴾[الطلاق : ۱۲]، وقال فی الآية الأخری : ﴿سبع سموات طباقا﴾[الملک : ۳]، وفی الآية الأخری ﴿ألم تروا كيف خلق اللّٰہ سبع سموات طباقا﴾[نوح : ۱۵]فأفاد أن لفظ (طباقا) فی الآية الأولی مراد ، وإن لم يذكر فتكون المثلية فی الأرض كذلک . ....قال الحافظ ابن حجر : ولعله القول بالتجاور ، وإلا فيكون صريحا فی المخالفة ، قال : ويدل للقول الظاهر ما رواه ابن جرير عن ابن عباس فی ﴿ومن الأرض مثلهن﴾[الطلاق : ۱۲]، قال : فی كل أرض مثل إبراهيم ، ونحو ما علی الأرض من الخلق .

هكذا أخرجه مختصرا ، وإسناده صحيح ، وأخرجه الحاكم والبيهقی

مطولا ، وأولـه : سبع أرضين ، في كـل أرض آدم كـآدمكم ، ونوح كنوحكم ، وإبراهيم كإبراهيمكم ، وعيسى كعيسى ، ونبي كنبيكم ، قال البيهقي : إسناده صحيح ، إلا أنه شاذ بمرة ، انتهى . يعني : فلا يلزم من صحة الإسناد صحة المتن ، كما هو معروف عند المحدثين ، فقد يصح الإسناد ويكون في المتن شذوذ ، أو علة تقدح في صحته . قال ابن كثير : وهذا إن صح نقله عن ابن عباس ، يحتمل على أنه أخذه من الإسرائيليات ، إنتهى . وعلى تقدير ثبوته يكون المعنى : أن ثم من يقتدى به مسمى بهذه الأسماء ، وهم الرسل المبلغون الجن عن أنبياء الله ، سمى كل منهم باسم النبي الذي يبلغ عنه . امام زرقانی نے بخاری کی شرح ارشاد الساری میں بھی یہی بحث فرمائی ہے۔

(أجوبة الزرقاني على أسئلة وردت من المغرب (لقاء العشر الأواخر بالمسجد الحرام ١٤٣)٨٣-٨٤)

☆☆ ساجد خان کی نقل کردہ عبارت میں لفظ ''ہاں'' موجود ہے جبکہ عربی میں ''ہاں'' کے معنی کے لئے عام مستعمل ہونے والا لفظ '' نعم '' ہے مگر امام زرقانی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت میں یہ لفظ موجود نہیں ہے، ساجد خان نے نہ جانے یہ ''ہاں'' اپنے ساتھ رکھی زنبیل عمرو عیار سے نکال کر شامل کر دی یا پھر کسی اپنے بزرگ کے کسی مضمون سے چرا کر اس عبارت کو نقل کر دیا اور اس کا ذکر بھی نہیں کیا۔

ساجد خان کو امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کردہ تصحیح تو نظر آ گئی مگر آگے والی عبارت:''

قال البيهقی : إسناده صحيح ، إلا أنه شاذ بمرة ، انتهى . يعنى : فلا يلزم من صحة الإسناد صحة المتن ، كما هو معروف عند المحدثين ، فقد يصح الإسناد ويكون فى المتن شذوذ ، أو علة تقدح فى صحته . قال ابن كثير : وهذا إن صح نقله عن ابن عباس ، يحتمل على أنه أخذه من الإسرائيليات ، انتهى ...''

شاید اس لئے نظروں سے اُوجھل رہی کہ اس کی وجہ سے اس کا سارا مضمون ہی رد ہوتا تھا۔ امام بیہقی کے قول اس کی سند صحیح ہے کے ساتھ یہ بھی موجود ہے کہ: ''مگر یہ شاذ بالمرہ ہے'' ۔اوراس کی تصریح کرتے ہوئے امام زرقانی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت میں یہ بھی موجود ہے ''یعنی پس سند کے صحیح ہونے سے متن کا صحیح ہونا لازم نہیں آتا جیسا کہ یہ محدثین کے ہاں معروف ہے، پس کبھی سند صحیح ہوتی ہے اور متن میں شذوذ یا ایسی علت ہوتی ہے جو اس (کے متن) کو عیب دار کرتی ہے۔ ابن کثیر نے کہا: اور اگر یہ حضرت عبداللہ بن عباس سے صحیح منقول ہے تو یہ محمول ہے کہ آپ رضی اللہ عنہما نے اس اثر اور اس کی مثل کو اسرائیلیات سے لیا ہے، انتہی۔

☆ ساجد خان لکھتا ہے کہ: ''اسی طرح قاضی بدرالدین شبلی الحنفی رحمہ اللہ نے ایک مسئلہ بیان کیا کہ کیا جنات میں بھی رسول مبعوث ہوئے امام ضحاکؒ کا ایک قول پیش کیا اور پھر اس کو مدلل کرنے کے لئے اثر ابن عباسؓ کو استدلال میں پیش کیا اور فرمایا کہ اس روایت کا ایک شاہد بھی ہے جس کو امام حاکم نے عمرو بن مرة عن ابی الضحی کے طریق سے نقل کیا ہے اور میرے استاذ امام ذہبیؒ اس روایت کے متعلق فرماتے ہیں: ''هذا حديث على شرط البخارى ومسلم ورجاله ائمة . یہ حدیث علی شرط البخاری

والمسلم ہے اور اس حدیث کے راوی بڑے بڑے ائمہ ہیں۔ (صفحہ ۱۹)

☆☆ ساجد خان کی تحریر بھی عجیب ہے اس مقام پر اپنی تائید میں پیش کرتے ہوئے ''قاضی بدرالدین شبلی الحنفی رحمہ اللہ'' لکھا ہے جبکہ آگے صرف چار لائن چھوڑ کر لکھا کہ :''علامہ عینی نے اسے اپنے موقف پر بطور استدلال پیش کیا اور ''آکام المرجان'' والے کے حوالے سے ۔۔۔ الخ۔

گویا کہ یہ کوئی غیر معروف وغیر مشہور شخصیت ہے بیچارے کو یہ بھی نہیں معلوم کہ صاحب ''آکام المرجان'' یہی قاضی بدرالدین ابن تقی الدین شبلی الحنفی ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الدمشقی ہیں، اور انہوں نے صرف تحسین اور تصحیح کی بات ہی نہیں کی بلکہ یہ بھی لکھا ہے کہ :''وتأول الجمهور الآية على ما نقل عن ابن عباس ومجاهد وابن جريج وأبي عبيد بما معناه رسل الإنس من الله تعالى إليهم ورسل إلى قوم من الجن ليسوا رسلا عن الله تعالى بعثهم الله تعالى في الأرض فسمعوا كلام رسل الله تعالى الذين هم من آدم وعادوا إلى قومهم من الجن فأنذرهم والله سبحانه وتعالى أعلى. (آكام المرجان صفحه ٦٤)

اور جمہور نے (ومن الأرض مثلهن) آیت مبارکہ کی تاویل اس روایت کے ساتھ کی ہے جو حضرت عبداللہ بن عباس، مجاہد، ابن جریج اور ابوعبید سے منقول ہے، جس کا معنی ہے کہ انسانوں کے رسول وہ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی طرف مبعوث فرمایا اور جنوں کی قوموں کی طرف پیغام لے جانے والے اللہ کی طرف سے بھیجے ہوئے رسول نہیں تھے اللہ نے ان کو زمین کی طرف بھیجا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے رسولوں کے کلام کو

سنا جو آدمی (انسان) تھے اور وہ (جن کلام سن کر) اپنی جنوں کی قوم کی طرف لوٹے تو ان کو اللہ عز وجل (کے عذاب) سے ڈرایا، واللہ سبحانہ وتعالی أعلی۔

پھر اس کے بعد جنات میں انہی میں سے رسول مبعوث ہونے کی کہانی کو اگلے باب یعنی ''باب السابع عشر'' میں مزید واضح کرتے ہوئے اور حضرت محمد مصطفی ﷺ کی ختم نبوت اور اس میں زمانی ومکانی شراکت کا ردیوں کیا ہے کہ:

''لم يخالف أحد من طوائف المسلمين فى أن الله تعالى أرسل محمد ﷺ إلى الجن والانس ....'' ''یعنی مسلمانوں کے گروہوں میں سے کسی ایک نے بھی اس بات میں اختلاف نہیں کیا کہ بے شک اللہ تعالی نے حضرت محمد ﷺ کو جنوں اور انسانوں کی طرف (رسول بنا کر) بھیجا''۔

پھر اس کو مختلف انداز میں مدلل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ:

''وقال الشيخ أبو العباس بن تيمية أرسل الله محمدا ﷺ الى جميع الثقلين الإنس والجن وأوجب عليهم الإيمان به وبما جاء به وطاعته وأن يحللون ما حلل الله ورسوله ﷺ ويحرمون ما حرم الله ورسوله ﷺ وأن يوجبوا ما أوجب الله ورسوله ﷺ ويحبوا ما أحب الله ورسوله ﷺ ويكرهوا ما كره الله ورسوله ﷺ وأن كل ما ما قامت عليه الحجة برسالة محمد ﷺ من الإنس والجن فلم يؤمن به استحق عقاب الله تعالى كما يستحق أمثاله من الكافرين الذين بعث إليهم الرسل وهذا أصل متفق عليه بين الصحابة والتابعين وأئمة المسلمين وسائر الطوائف المسلمين أهل السنة والجماعات وغيرهم .

(آکام المرجان ٦٥ـ٦٦)

اور شیخ ابو العباس ابن تیمیہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو تمام انسانوں اور جنوں کی جماعتوں کی طرف (رسول بنا کر) بھیجا اور ان تمام پر لازم فرمایا ایمان لانا آپ ﷺ پر، اور اس تمام پر بھی جو آپ ﷺ لے کر آئے اور آپ ﷺ کی پیروی کرنا، اور یہ کہ وہ ان تمام چیزوں کو حلال جانیں جن کو اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ نے حلال ٹھہرایا، اور حرام جانیں ان سب کو جن کو اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ نے حرام ٹھہرایا، اور واجب (لازم) جانیں ان سب کو جن کو اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ نے لازم فرمایا، اور وہ محبت کریں ان سے جن کو اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ محبوب سمجھتے ہیں، اور ناپسند جانیں ان کو جن کو اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ نے ناپسند فرمایا۔ اور وہ تمام جو ذکر ہوا تاکہ قائم ہو جائے حجت اس پر محمد ﷺ کی رسالت کے ساتھ جنوں اور انسانوں میں سے۔ پس جو ایمان نہ لائے گا وہ اللہ عزوجل کے عذاب کا مستحق ہوگا جیسا کہ اللہ عزوجل کے عقاب کے مستحق ہوئے ان کی مثل کافروں میں سے، وہ کافر کہ جن کی طرف اللہ عزوجل نے رسول بھیجے، اور یہ اصل متفق علیہ ہے صحابہ کرام، تابعین عظام، آئمۃ المسلمین اور مسلمانوں کے تمام اہل سنت و جماعت وغیرہم کے گروہوں کے درمیان

ساجد خان کو سمجھ آجانا چاہیے کہ اس کے نانوتوی صاحب جو ثابت کرنا چاہتے تھے وہ قاضی بدرالدین حنفی رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال کی روشنی میں باطل و مردود ہے، اپنے آپ کو حنفی کہلوانے سے حنفی نہیں بن سکتے احناف کثرہم اللہ تعالیٰ کی بزرگوں کے مزید دو قول

یہاں ملاحظہ فرمائیں:

﴿۞﴾ ایک حنفی بزرگ شمس الدین الرومی احمد بن اسماعیل بن عثمان بن محمد الکورانی الشافعی ثم الحنفی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۸۹۳ھ لکھتے ہیں کہ:

"وما يروى عن ابن عباس رضى الله عنهما على ما رواه البيهقى : ان فى كل أرض منها نبيا كنبيكم و آدم كآدم ونوح كنوح . مخالف للإجماع وصريح الآيات".

(كوثر الجارى الى رياض أحاديث البخارى ، كتاب بدء الخلق ج٦ ص ٨٦،دار الكتب العلمية ، بيروت _ الطبعة الأولى ٢٠١٢ء)

اور وہ جو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا گیا ہے جس کو امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ بے شک ہر زمین میں نبی ہیں تمہارے نبی علیہ وسلم کی طرح اور آدم تمہارے آدم علیہ السلام کی طرح ، اور نوح تمہارے نوح علیہ السلام کی طرح ۔ وہ مخالف ہے اجماع (امت) کے اور صریح آیات مبارکہ کے۔

﴿۞﴾ ایک اور حنفی بزرگ جن کا نام تو ساجد خان نے سنا ہی ہوگا علامہ ملا علی القاری رحمۃ اللہ علیہ، المتوفی ۱۰۱۴ھ، لکھتے ہیں کہ:

"يروى عن ابن عباس قال ابن كثير بعد عزوه لإبن جرير وهو محمول ان صح نقله أي ابن عباس رضى الله عنهما أنه أخذه من الإسرائيليات وذلك وأمثاله إذا لم يصح سنده إلى معصوم فهو مردود على قائله".

(الاسرار المرفوعة فى الأخبار الموضوعة المعروف بالموضوعات الكبرى ٩٦ برقم (٣٨)، المكتبة الأثرية ، سانگله هل)

(یہ اثر) ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا گیا ہے، حافظ ابن کثیر نے اسے ابن جریر کیطرف منسوب کرنے کے بعد کہا ہے کہ اگر یہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح ہے تو یہ اس بات پر محمول ہوگا کہ آپ نے یہ اسرائیلیات سے لیا ہے یہ اور اس کی مثل جب اس کی سند معصوم کیطرف صحیح نہ ہو تو اس کے قائل پر مردود ہوگی۔

یہ ہیں حنفی بزرگوں کے اس اثر کے بارے میں خیالات کہ وہ اس کو شاذ و مردود سمجھتے ہیں اور پھر اس کی تاویل کے قائل ہیں کیونکہ احناف کثر ہم اللہ تعالی ہی نہیں بلکہ تمام اُمت اسلامیہ اس بات پر متفق ہے کہ نبی اکرم ﷺ خاتم النبیین ہیں آپ ﷺ اللہ عزوجل کے آخری نبی ﷺ ہیں پس زمانی و مکانی لحاظ سے کسی نبی کے آنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور یہ اثر بقول ساجد خان بھی بظاہر ختم نبوت کے خلاف ہے۔

☆ ساجد خان لکھتا ہے: ''اسی طرح یہ روایت تصحیح کے ساتھ علامہ قاضی شوکانی غیر مقلد نے ''فتح القدیر، ج ۵ ص ۲۹۵، دار ابن کثیر''، عینی حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے ''عمدۃ القاری، ج ۱۵ ص ۱۱۱، دار الاحیاء التراث، علامہ عجلونی رحمۃ اللہ علیہ نے ''کشف الخفاء، رقم الحدیث ۳۱۶''، علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''فیض القدیر شرح الجامع الصغیر، ج ۱۲ ص ۴۰۹، دار الکتب العلمیۃ، بیروت'' پر بھی نقل کی ہے۔ (صفحہ ۱۹)

☆☆ یہ تمام علماء و محدثین اس اثر کو نقل کرنے کے بعد صرف ''إسناده صحيح'' یا صرف ''صحيح'' کا لفظ نہیں لکھ رہے بلکہ اس کے ساتھ اس اثر کے شاذ ہونے کا ذکر بھی کر رہے ہیں مگر ساجد خان وہ سب ہضم کر گیا صرف اپنے نانوتوی صاحب کے دفاع کی کوشش میں اگر اس نے اصل کتب سے نقل کیا ہے تو؟ ورنہ دوسری صورت میں تو

خیانت کا ارتکاب ہی معلوم ہوتا ہے، واللہ اعلم۔

﴿۞﴾ آیئے! سب سے پہلے قاضی شوکانی نے یہ اثر نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ:

" قال البیھقی : ھذا إسنادہ صحیح ، وھو شاذ بمرۃ ، لا أعلم لأبی الضحی علیہ متابعا".

(فتح القدیر ،سورۃ الطلاق ،ج۵ ص ۲۹۶ دار ابن کثیر ،دمشق ، دار الکلم الطیب ، بیروت)

یعنی امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ سند صحیح ہے اور وہ شاذ بالمرہ ہے، میں نہیں جانتا کہ اس پر ابوالضحی کی کسی نے متابعت کی ہو۔

﴿۞﴾ علامہ بدرالدین عینی حنفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ

:"روی البیھقی عن أبی الضحی ......ثم قال : إسناد ھذا الحدیث عن ابن عباس صحیح ، وھو شاذ بمرۃ لا أعلم لأبی الضحی علیہ متابعا" .

(عمدۃ القاری ، باب ماجاء فی سبع أرضین ،ج۱۵ ص ۱۱۱ ،دار احیاء التراث العربی ، بیروت)

یعنی امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ابوالضحی سے روایت کی۔ پھر کہا کہ اس حدیث (روایت) کی سند ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح ہے مگر شاذ بالمرہ ہے میں نہیں جانتا کہ اس پر ابو الضحی کی کسی نے متابعت کی ہو۔

﴿۞﴾ علامہ عجلونی اسماعیل بن محمد رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کو ہم ذرا تفصیل سے ذکر کرتے ہیں تاکہ مزید واضح ہو جائے کہ ساجد خان نے کس طرح علماء و محدثین رحمۃ اللہ علیہم کی عبارات کو کانٹ چھانٹ کر اپنے بزرگ کی حمایت میں ڈھالنے اور اپنے مطلب کو

حاصل کرنے کی سعی لاحاصل کی ہے۔

علامہ عجلونی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: ”(الأرضون سبع ، فی کل أرض نبی کنبیکم) رواه البیهقی فی الأسماء والصفات بسند صحیح کما قال الحاکم عن ابن عباس فی قوله تعالی ﴿الذی خلق سبع سماوات ومن الأرض مثلهن﴾ قال سبع أرضین فی کل أرض نبی کنبیکم وآدم کآدمکم ونوح کنوح وإبراهیم کإبراهیم وعیسی کعیسی ، وفی لفظ کآدمکم وکنوحکم وکإبراهیمکم وکعیساکم ، قال البیهقی فی الشعب هو شاذ بالمرة .

قال السیوطی هذا من البیهقی فی غایة الحسن فإنه لا یلزم من صحة الإسناد صحة المتن لاحتمال صحة الإسناد مع أن فی المتن شذوذا أو علة تمنع صحته .

وقیل هل آدم ومن بعده المذکورون فیما عدا الأرض الأولی من الانس أو من غیرهم ، وهل هم متعبدون بمثل من تعبد فی الأرض الأولی ؟ وهل هم مقارنون لهم فی زمنهم ؟.

قال ابن حجر الهیثمی فی فتاویه :إذا تبین ضعف الحدیث ، أغنی ذلک عن تأویله ، لأن مثل هذا المقام لا تقبل فیه الأحادیث الضعیفة ، وقال یمکن أن یؤول الحدیث علی أن المراد بهم النذر الذین کانوا یبلغون الجن عن أنبیاء البشر ، ولا یبعد أن یسمی بإسم النبی الذی بلغ

عنه انتهى فتدبر فإنه لو صح فى نبينا لم يستقم فى غيره .

وقال ابن كثير بعد عزوه لابن جرير بلفظ "فى كل أرض من الخلق مثل ما فى هذه حتى آدم كآدمكم وإبراهيم كإبراهيمكم "هو محمول ، إن صح عن ابن عباس ، على أنه أخذه من الإسرائيليات ، وذلك وأمثاله إذا لم يصح سنده إلى معصوم فهو مردود على قائله انتهى .....

(كشف الخفاء ومزيل الالباس عما اشتهر من الأحاديث على ألسنة الناس ج ١ ص ١١٣-١١٤ برقم (٣١٦)، مؤسسة مناهل العرفان ، بيروت ، ومكتبة الغزالى ، دمشق)

(زمینیں سات ہیں، ہر ایک زمین میں تمہارے نبی کی مثل نبی ہے) اسے امام بیہقی نے الاسماء والصفات میں سند صحیح کیساتھ روایت کیا ہے جیسا کہ حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمان باری تعالی ﴿الذی خلق سبع سموات ومن الأرض مثلهن﴾ میں روایت کیا، فرمایا: سات زمینیں ہیں ہر ایک زمین میں تمہارے نبی کی مثل نبی ہے اور تمہارے آدم کی مثل آدم اور تمہارے نوح کی مثل نوح اور تمہارے ابراہیم کی مثل ابراہیم اور تمہارے عیسیٰ کی مثل عیسیٰ ہیں۔اور ”کآدمکم وکنوحکم وکإبراهیمکم وکعیساکم“ کے لفظ کے بارے میں امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے شعب میں فرمایا کہ یہ شاذ بالمرہ ہے۔امام سیوطی نے فرمایا امام بیہقی کا یہ کلام نہایت حسین ہے کیونکہ سند کی صحت سے متن کی صحت لازم نہیں ہوتی اس لئے کہ اسناد کی صحت کے احتمال کے باوجود متن میں شذوذ یا اس متن کی صحت سے مانع کوئی ۔ ت ہو۔

اور کہا گیا ہے کہ کیا آدم اور ان کے بعد ذکر کئے گئے (انبیاء) انسان وغیرہ کی پہلی زمین

کے علاوہ میں ہیں؟

کیا وہ بھی پہلی زمین والوں کی طرح عبادت کرتے ہیں؟

کیا وہ ان کیساتھ ان کے زمانے میں مقارن ہیں؟

علامہ ابن حجر ہیتمی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فتاوی میں فرمایا: جب حدیث کا ضعف واضح ہو گیا تو یہ اس کی تاویل سے غنی کردے گا کیونکہ اس مقام کی مثل میں احادیث ضعیفہ قبول نہیں کی جاتیں۔

مزید فرمایا کہ ممکن ہے کہ حدیث کی تاویل اس طرح کی جائے کہ ان سے مراد وہ ڈرانے والے ہیں جو انبیاءِ بشر کی طرف سے جنوں کو تبلیغ کرتے تھے اور یہ بات بعید نہیں ہے کہ اس کا نام اس نبی کے نام کیساتھ رکھ دیا گیا ہو جس کی طرف سے اس نے تبلیغ کی، کلام مکمل ہوا، پس غور کیجئے کیونکہ اگر یہ ہمارے نبی کے بارے میں درست ہو تو آپ کے غیر میں درست نہ ہو گی۔

حافظ ابن کثیر نے اسے ابن جریر کیطرف منسوب کرنے کے بعد ان لفظوں کیساتھ فرمایا ہے کہ "مخلوقات کی ہر زمین میں جو کچھ اس زمین میں ہے اس کی مثل ہے حتی کہ تمہارے آدم علیہ السلام کی مثل آدم، اور ابراہیم علیہ السلام کی مثل ابراہیم ہے" اگر یہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح ہے تو یہ اس بات پر محمول ہے کہ آپ نے یہ اسرائیلیات سے لی ہے۔ یہ اور اس کی امثال جب اس کی سند معصوم کی طرف صحیح نہ ہو تو اس کے قائل پر مردود ہوتی ہیں۔

علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:

”أخرج ابن عباس عن ابن جرير فی آية ﴿ومن الأرض مثلهن﴾.... قال ابن حجر : إسناده صحيح وأخرجه الحاكم والبيهقی ... وقال البيهقی : إسناده صحيح لكنه شاذ“.

(فيض القدير شرح الجامع الصغير ج٣ص ٣٦٥ برقم (٣٦٥٢) ،المكتبة التجارية الكبرى ، مصر)

اس کے بعد ساجد خان نے علامہ حقی رحمۃ اللہ علیہ اوران کے حوالہ سے ”آکام المرجان“ کی بات کی جس کا ذکر پیچھے ہو چکا ہے۔

☆ آگے ساجد خان لکھتا ہے کہ:”نیز ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب ”اتحاف المھرۃ ،ج ۸ص ۶۵ ، رقم الحدیث ۸۹۲۲ ، اور حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ”تفسیر ابن کثیر ، ج ۸ص ۱۵۷،۱۵۶ ، دار طیبہ ، ریاض“ میں ”تصحیح“ کے ساتھ اس روایت کو درج کیا ہے۔(صفحہ۱۹)

☆☆ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اگر چہ ”اتحاف“ میں صرف تصحیح ذکر کی ہے مگر ”فتح الباری“ میں آپ نے امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے اس کا شاذ ہونا بھی ذکر کیا ہے، دیکھئے ”فتح ج۶/ ۲۹۳“۔

﴿۞﴾ حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ:”ثم قال البيهقی إسناد هذا عن ابن عباس صحيح وهو شاذ بمرة لا أعلم لأبی الضحی عليه متابعا ،والله أعلم“. (تفسير ابن كثير ج٨ص ١٥٧ دار طيبة للنشر والتوضيح، الرياض)

یعنی پھر امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ سند حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح

ہے مگر شاذ بالمرہ ہے، میں نہیں جانتا کہ اس پر ابوالضحیٰ کی کسی نے متابعت کی ہو۔ واللہ اعلم

، حافظ ابن کثیر سے اس کے متعلق آگے بھی ذکر ہوگا، ان شاءاللہ العزیز۔

ساجد خان نے لکھا: ''یاد رہے کہ ان تمام مفسرین ومحدثین نے اس حدیث کو بمع تصحیح نقل کرنے کے بعد اس پر سکوت کیا ہے اور کوئی جرح نہیں کی (صفحہ ۱۹)

☆☆ قارئین کرام! آپ نے مذکورہ تمام محدثین وعلماء کے بارے میں پیچھے ملاحظہ فرما لیا اس میں ساجد خان کی سچائی کی دلیل کتنی ہے وہ آپ پر واضح ہو گیا ہوگا کہ اکثر محدثین و علماء امام حاکم اور بیہقی رحمۃ اللہ علیہما سے تصحیح کے ساتھ ساتھ اس کا شاذ ہونا بھی امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ سے ذکر کر رہے ہیں جبکہ حافظ ابن کثیر اس کو اسرائیلیات میں سے شمار کرتے ہیں اور علامہ عجلونی رحمۃ اللہ علیہ نے تو ابن حجر ہیتمی رحمۃ اللہ علیہ سے اس کی تضعیف بھی بیان کی، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس کو موضوعات میں ذکر کر رہے ہیں، علامہ شمس الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ اس کو اجماع مسلمین اور صریح آیات کے خلاف کہہ رہے ہیں مگر ساجد خان کو صرف تصحیح ہی نظر آرہی ہے فقط اس لئے کہ بڑے بزرگ کے کارنامے پر پردہ ڈالا جائے جس میں اس نے اجماع اُمت سے انحراف کیا۔

﴿☆﴾ قاسم نانوتوی صاحب کی طرف منسوب ایک قول دیکھنے کو ملا ہے جس میں ہے کہ: ''بالاجمال اتنا عرض کئے دیتا ہوں کہ بیہقیؒ، جریرؒ، حاکمؒ ذہبیؒ اس اثر کی توثیق کرتے ہیں بیہقیؒ، جریرؒ حاکمؒ تو تصحیح کے درپے ہیں اور ذہبیؒ حسن الاسناد فرماتے ہیں''۔ (تنویر النبراس علی من انکر تحذیر الناس ۸۹)

﴿☆☆﴾ امام حاکم، بیہقی اور ذہبی رحمۃ اللہ علیہم کے اقوال کے متعلق تو پیچھے ذکر ہو چکا

مگر نانوتوی صاحب نے جو زائد نام ''جریر'' ذکر کیا ہے راقم الحروف کو اپنے علم وتلاش کے باوجود کچھ علم نہیں ہوسکا کہ یہ جریر کون ہیں اور انہوں نے کس کتاب میں اس اثر کی تصحیح کی ہے؟۔

اگر مراد ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ ہیں جنہوں نے اپنی تفسیر (المسمی جامع البیان فی تاویل القرآن، المعروف تفسیر الطبری) میں اس اثر کو مختصراً روایت کیا ہے تو انہوں نے اس کی تصحیح نہیں فرمائی۔

اثر ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اسنادی حیثیت

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے مستدرک میں اس اثر کی سند یوں بیان کی ہے کہ:

''أخبرنا أحمد بن يعقوب الثقفي ثنا عبيد بن غنام النخعي أنبأ علي بن حكيم ثنا شريك عن عطاء بن السائب عن أبي الضحى عن ابن عباس رضى الله عنهما أنه قال: ... الخ.

اسی طرح امام حاکم کی سند سے امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس اثر کو ''الأسماء والصفات'' میں بیان کیا ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس اثر کو روایت کرنے والے ''ابوالضحی، مسلم بن صبیح'' نے روایت کیا ہے اور ان سے اس اثر کو روایت کرنے والے ''عطاء بن سائب بن مالک الثقفی، الکوفی'' ہیں جس کے بارے میں ائمہ محدثین کے اقوال ملاحظہ فرمائیں:

(1) امام ابن معین رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۳۳ھ) فرماتے ہیں کہ: ''... كان عطاء بن السائب قد اختلط ...''.

(تاریخ ابن معین ، روایة الدوری ۳/۳۲۸، مرکز البحث العلمی واحیاء التراث الاسلامی ،مکة المکرمة)

یعنی عطاء بن سائب مختلط ہو گئے تھے۔

ان کی اسی بات کو امام یوسف بن عبد الرحمٰن المزی رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۴۲ھ) نے "تھذیب الکمال ۲۰/۹۲"، اور امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۴۸ھ) نے "سیر أعلام النبلاء ۶/۳۶۱"، حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۸۵۲ھ) نے "تھذیب التھذیب ۷/۲۰۵" اور امام بدر الدین عینی حنفی رحمۃ اللہ علیہ (م ۸۵۵ھ) نے "مغانی الاخیار فی شرح اسامی رجال معانی الآثار ۲/۳۲۳" وغیرہم نے نقل کیا ہے۔

(2) امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۴۱ھ) فرماتے ہیں کہ: "(عطاء بن السائب) صالح من سمع منه یعنی قدیما وقد تغیر ... ... کان اختلط فمن سمع منه قبل الإختلاط فجید ومن سمع منه بعد الإختلاط فلیس بشئ .

(العلل ومعرفة الرجال لأحمد روایة ابنه عبد الله ۱/۴۱۴، و ۳/۲۹، دار الخانی، الریاض)

یعنی عطاء بن سائب سے جس نے قدیم سنا ہے وہ صالح ہے اور تحقیق وہ متغیر ہو گئے ۔یعنی وہ اختلاط کا شکار ہو گئے تھے پس جس نے قبل از اختلاط سماع کیا ہے وہ جید ہے اور جس نے بعد از اختلاط ان سے سنا ہے تو وہ کوئی چیز نہیں ہے۔

ان کی اسی بات کو امام ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ (م ۳۲۷ھ) نے "الجرح والتعدیل ۶/۳۳۳"، امام ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ (م ۳۶۵ھ) نے "الکامل فی ضعفاء الرجال ۷/۷۳"، اور امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۴۸ھ) نے "سیر أعلام النبلاء ۶/۳۶۰"، غیرہم نے بیان کیا ہے۔

(3) امام احمد بن عبداللہ العجلی رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۶۱ھ) فرماتے ہیں کہ: "...ومن سمع من عطاء قديما فهو صحيح الحديث منهم سفيان الثورى فأما من سمع منه بأخرة فهو مضطرب الحديث منهم هشيم و خالد بن عبد الله الواسطى إلا أن عطاء كان بأخرة يتلقن إذا لقنوه فى الحديث لأنه كان كبر ....". (معرفة الثقات ۲/۱۳۵، مكتبة الدار، المدينة المنورة)

یعنی وہ جس نے عطاء بن سائب سے قدیم سنا ہے وہ صحیح الحدیث ہے جن میں سفیان ثوری (وغیرہ) ہیں پس وہ جنہوں نے ان سے آخر میں سنا ہے تو وہ مضطرب الحدیث ہے ان میں ہشیم اور خالد بن عبداللہ واسطی (وغیرہما) ہیں کیونکہ عطاء آخر (عمر میں) تلقین قبول کرتے تھے جب انہیں حدیث میں تلقین کی جاتی کیونکہ وہ بوڑھے ہو گئے تھے۔

ان کی بات کو امام صلاح الدین العلائی رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۶۱ھ) نے "المختلطین ۸۲" میں ذکر کیا ہے۔

(4) امام ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ (م ۳۲۷ھ) اپنے والد گرامی (م ۲۷۷ھ) سے روایت کرتے ہیں کہ:

"كان عطاء بن السائب محله الصدق قديما قبل ان يختلط صالح مستقيم الحديث ثم بأخرة تغير حفظه فى حديثه تخاليط كثيرة ...".

(الجرح والتعدیل ٦/٣٣٤، مجلس دائرة المعارف العثمانية، حیدرآباد، دکن، الھند)

یعنی عطاء بن سائب کا مقام صدق قبل از اختلاط وہ صالح مستقیم الحدیث تھے پھر آخر (عمر میں) ان کا حافظہ متغیر ہوگیا ان کی حدیث میں بہت زیادہ اختلاط ہے۔

اسی بات کو امام یوسف بن عبدالرحمٰن المزی رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۴۲ھ) نے "تھذیب الکمال ٢٠/٩١"، اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۸۵۲ھ) نے "تھذیب التھذیب ٧/٢٠٥" اور امام بدرالدین عینی حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے "مغانی الاخیار فی شرح اسامی رجال معانی الآثار ٢/٣٢٣" وغیرہم نے نقل کیا ہے۔

(5) امام احمد بن شعیب النسائی رحمۃ اللہ علیہ (م ۳۰۳ھ) فرماتے ہیں: "عطاء بن السائب كان قد تغير".

(السنن الکبری ٢/١٤٣١، مكتبة الرشد، الرياض، والدار العثمانية، عمان)

یعنی تحقیق عطاء بن سائب متغیر (حافظہ والے) تھے۔

ان کی اسی بات کو امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے "سیر أعلام النبلاء ٦/٣٦١"، حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے "تھذیب التھذیب ٧/٢٠٥" میں وغیرہما نے نقل کیا ہے۔

(6) امام ابواحمد بن عدی الجرجانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۳۶۵ھ) فرماتے ہیں کہ: "وعطاء بن السائب اختلط فی آخر عمره فمن سمع منه قديما مثل الثوری وشعبة فحديثه مستقيم، ومن سمع منه بعد الإختلاط فأحاديثه فيها

بعض النكرة .

(الكامل فى ضعفاء الرجال ۷۸/۷،دار الكتب العلمية ، بيروت)

اورعطاء بن سائب اپنی آخر عمر میں اختلاط کا شکار ہو گئے تھے پس ان سے جس نے قدیم سنا ہے مثل امام ثوری اور شعبہ تو ان کی حدیث مستقیم ہے اور جس نے بعد از اختلاط سنا ہے تو اس کی احادیث میں بعض منکر ہیں۔

اسی بات کو امام یوسف بن عبد الرحمٰن المزی رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۴۲ھ) نے "تهذيب الكمال ۹۱/۲۰"، امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۴۸ھ) نے "سير أعلام النبلاء ۳۶۱/۶"، اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے "تهذيب التهذيب ۲۰۵/۷" وغیرہم نے نقل کیا ہے۔

(7) امام ابوالحسن علی بن عمر الدارقطنی رحمۃ اللہ علیہ (م ۳۸۵ھ) فرماتے ہیں کہ:"وهذا من عطاء بن السائب فانه اختلط فى آخر عمره".

(العلل الواردة فى الأحاديث النبوية ۱۸۸/۵ برقم (۸۱۱)، دار طيبة الرياض)

اور یہ (روایت) عطاء بن سائب سے ہے تو وہ آخری عمر میں اختلاط کا شکار ہو گئے۔

(8) امام عبد الرحمٰن بن علی الجوزی رحمۃ اللہ علیہ (م ۵۹۷ھ) فرماتے ہیں:"هذا حديث لا يثبت عن رسول الله ﷺ وفيه عطاء بن السائب و كان قد اختلط فى آخر عمره ....".

(العلل المتناهية فى الأحاديث الواهية ۱۸۱/۲، ادارة العلوم الأثرية فيصل آباد ، پاكستان)

یعنی یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں ہے اور اس میں عطاء بن سائب ہیں اور وہ آخر عمر میں اختلاط کا شکار ہو گئے تھے۔

(9) امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۴۸ھ) فرماتے ہیں: "تابعی مشهور حسن الحديث ساء حفظه بأخرة".

(المغنی فی الضعفاء (٤١٢١)

یعنی مشہور تابعی، حسن الحدیث ہیں، آخر میں حافظہ برا ہو گیا تھا۔

اقوال ذہبی رحمۃ اللہ علیہ مزید ملاحظہ فرمائیں:

("دیوان الضعفاء ۲۷۵ ،وفی ذیله ٤٨، سیر أعلام النبلاء ٦/ ٣٦٠، ميزان الاعتدال، ذكر أسماء من تكلم فيه وهو موثق ١٣٤")

اس بارے میں محدثین کی ایک جماعت کے حوالہ جات نقل کیے جا سکتے ہیں ہم انہی پر اکتفاء کرتے ہوئے اور "تلک عشرة كاملة" بناتے ہوئے آخر میں ایک حنفی محدث و مفسر وفقیہ و امام کے قول پر اس بات کا اختتام کرتے ہیں۔

(10) امام ابو جعفر طحاوی حنفی رحمۃ اللہ علیہ (م ۳۲۱ھ) فرماتے ہیں کہ: "وإن كان الذين يعدونهم الحجة فى عطاء بن السائب أهل العلم بالإسناد انما هم أربعة دون من سواهم شعبة والثورى وحماد بن زيد وحماد بن سلمة".

(شرح مشكل الآثار ١/ ١٤٩، مؤسسة الرسالة)

اہل علم اسناد میں جن کو عطاء بن سائب کے معاملہ میں حجت شمار کرتے ہیں وہ صرف چار ہیں ان کے علاوہ نہیں یعنی شعبہ، ثوری، حماد بن زید اور حماد بن سلمہ۔

”وهـذا أحسـن مـا توجه لنا فى هذا الباب بعد احتمالنا فيه حديث عطاء بـن السـائـب الـذى ذكرناه فيه لأنه من حديث أبى عوانة عنه وهو ممن أخـذ عـنـه فـى حـال التغير وقبل حال التغير فلم يدر أكان هذا الحديث مـما أخذه قبل التغير أو بعد التغير وانما حديثه الذى كان منه قبل تغيره يـؤخـذ مـن أربـعة لا مـمن سواهم وهم شعبة والثورى وحماد بن سلمة وحماد بن زيد“ .

(شرح مشکل الآثار ۲۹۳/۶، مؤسسة الرسالة)

اور یہ حدیث زیادہ بہتر ہے عطاء بن سائب کی اس حدیث سے جسے ہم نے اس باب میں ذکر کیا جو ہمارے لئے متوجہ ہوتی ہے ہمارے احتمال کے بعد کیونکہ ابوعوانہ کی حدیث اسی (عطاء بن سائب) سے ہے اور وہ ان میں سے ہے جنہوں نے اس سے حالت تغیر میں اور حالت تغیر سے پہلے روایت لی ہے پس نہیں معلوم کہ یہ حدیث ان (احادیث) سے ہے جو اس نے تغیر سے پہلے لی ہیں یا بعد میں لی ہیں اور اس کی حدیث جو اس سے حالت تغیر سے پہلے لیتے ہیں وہ چار ہیں اور ان کے علاوہ کوئی نہیں اور وہ چار شعبہ، ثوری، حماد بن سلمہ اور حماد بن زید ہیں۔

قارئین کرام! دیکھیں امام طحاوی حنفی رحمۃ اللہ علیہ کس طرح واضح کر رہے ہیں کہ شعبہ، سفیان ثوری، حماد بن سلمہ اور حماد بن زید کے علاوہ کسی نے عطاء بن سائب سے قبل از اختلاط نہیں سنا، مگر ساجد خان اور اس کے ہمنوا اپنے آپ کو حنفی کہلوانے کے باوجود شریک جس کے بارے میں کسی ایک امام فن نے بھی ذکر نہیں کیا اس کو عطاء بن سائب سے قبل از اختلاط سننے والوں میں شامل کرنے میں بضد ہیں مگر بغیر دلائل و براہین

کے ان کی اس بات کوسوائے سینہ زوری کے کیا کہا جا سکتا ہے اگر چہ ساتھ ہی ساتھ ساجد خان نے تو جھوٹ لکھنے سے بھی دریغ نہیں کیا جیسا کہ پیچھے بھی ذکر ہوا اور آگے بھی ذکر ہوگا ان شاء اللہ العزیز۔

پس معلوم ہوا کہ عطاء بن سائب رحمۃ اللہ علیہ آخر عمر میں اختلاط کا شکار ہو گئے تھے اور اصول حدیث کا ادنی طالب علم بھی جانتا ہے کہ یہ بات اصول حدیث کے مسلمات میں سے ہے کہ بیشک کوئی راوی بلند ترین ثقاہت کا حامل ہو مگر جب اس کو اختلاط کا عارضہ لاحق ہو جائے تو اس کی وہ روایات جن کو ایسے لوگ روایت کریں جنہوں نے بعد از اختلاط سنا ہو وہ قابل قبول نہیں ہوتیں اور وہ لوگ جن کے بارے میں واضح نہ ہو سکے کہ انہوں نے قبل از اختلاط سنا ہے یا بعد از اختلاط تو ان کی روایات میں توقف کیا جائے گا جب تک واضح نہ ہو جائے۔

جیسا کہ ساجد خان کے بزرگ سعید احمد پالن پوری استاذ دار العلوم دیو بند نے لکھا ہے کہ:

''حدیث مختلط : وہ حدیث ہے جس کا کوئی راوی ایسا ہو جس کو سوء حفظ طاری ہو گیا ہو۔ اس راوی کو مختلط (بکسر اللام بصیغۂ اسم فاعل) اور اس کی حدیث کو مختلط (بفتح اللام بصیغۂ اسم مفعول) کہتے ہیں۔ مختلط کی حدیث کا حکم: مختلط نے جو روایتیں اختلاط سے پہلے بیان کی ہیں وہ مقبول ہیں اور جو اختلاط کے بعد بیان کی ہیں وہ غیر مقبول ہیں اور جن کی قبلیت و بعدیت کا علم نہ ہو سکے وہ حصول علم پر موقوف رہیں گی''۔

(تحفة الدرر شرح نخبة الفكر فى مصطلح أهل الأثر ص ٤٤، مكتبة بحر العلوم ،جونا مارکیٹ ، کراچی)

☆ساجد خان کو بھی اس بات کا اقرار ہے کہ عطاء بن سائب اختلاط کا شکار ہو گئے تھے جیسا کہ صفحہ ۲۳ پر ایک اعتراض اور اس کا جواب دیتے ہوئے اس نے لکھا ہے کہ:''چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں عطاء بن سائب سے اختلاط سے قبل روایت کرنے والے شعبۃ وسفیان کے علاوہ زہیرؒ، زائدۃؒ، حماد بن زیدؒ، ایوبؒ اور ان کے علاوہ بھی کئی ہیں (نمبر۲ دے کر حوالہ دیا ہے تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۱۸۴: دارالفکر ،بیروت) اور ابن مزیؒ نے تو صاف صریح لکھا ہے کہ عطاء بن السائب سے قدیما قبل الاختلاط نقل کرنے والوں میں ''شریک'' بھی ہیں (نمبر۳ دے کر لکھا تہذیب الکمال ،ج ۲۰ ص ۸۶)''۔

☆☆ قارئین کرام! ساجد خان نے یہاں پاؤں جوڑ کر جھوٹ بولا ہے اب ساجد خان کے پاؤں میں چکر ہوں گے مگر پاؤں گور میں لٹکنے تک ساجد خان پاؤں سر پر رکھ کر بھاگے گا مگر حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کردہ عبارت کے الفاظ کہ قبل از اختلاط سننے والے ''ان کے علاوہ بھی کئی ہیں'' دکھانے کی بجائے روباہ بازی کرتے ہوئے بھی رعشہ براندام ہو کر گھٹنے ٹیکے گا، ان شاء اللہ العزیز۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:

''قلت : فيحصل لنا من مجموع كلامهم أن سفيان الثوری وشعبة وزهيرا وزائدة وحماد بن زيد وأيوب عنه صحيح ومن عداهم يتوقف فيه إلا حماد بن سلمة فاختلف قولهم والظاهر أنه سمع منه مرتين مرة مع أيوب كما يومی إليه كلام الدارقطنی ومرة بعد ذلك لما دخل إليهم البصرة وسمع منه مع جرير وذويه والله أعلم''.

"یعنی میں کہتا ہوں پس (مذکورہ محدثین) کے مجموعہ کلام سے ہمیں حاصل ہوا کہ بے شک سفیان ثوری، شعبہ، زہیر، زائدہ، حماد بن زید اور ایوب (کی روایات) اس سے صحیح ہیں۔ اور ان کے علاوہ میں توقف کیا جائے گا سوائے حماد بن سلمہ کے پس ان کے قول (اس کے بارے میں) مختلف ہیں اور ظاہر ہے کہ حماد نے ان سے دو مرتبہ سنا ہے ایک مرتبہ ایوب کے ساتھ جیسا کہ امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے اس طرف اشارہ ہے اور ایک مرتبہ اس کے بعد جب وہ ان کے پاس بصرہ میں آئے اور سنا اس سے جریرو ذویہ کے ساتھ، واللہ اعلم۔

اب دو ہی صورتیں ہیں: یا تو ساجد خان نے جان بوجھ کر جھوٹ کا سہارا لیا ہے۔ یا پھر بیچارے کی اپنی اور ہمنواؤں کی قابلیت ہی اتنی ہے کہ عبارت کو سمجھ ہی نہیں سکے اور "من عداھم" کا عطف ماقبل ایوب وغیرہ پر کر دیا۔

اگر "من عداھم" کا عطف ماقبل ایوب وغیرہ پر ڈالا جائے تو پھر "یتوقف فیہ" کا کیا معنی ہوگا؟۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت میں "من عداھم" کا ماقبل پر عطف نہیں بلکہ یہ مبتداء ہے اور "یتوقف فیہ" اس کی خبر ہے، کیونکہ "من" موصولہ، "عدا" مضاف، "ھم" مضاف الیہ، پس مضاف، مضاف الیہ سے مل کر صلہ ہوگا موصول کا، موصول اپنے صلہ کے ساتھ مل کر مبتداء ہوگا۔

"یتوقف" فعل، ھو (پوشیدہ) ضمیر اس کا نائب فاعل ہے اور "فیہ" جار مجرور "یتوقف" کے متعلق ہے یہ جملہ یتوقف فعل اپنے نائب فاعل اور متعلق کے ساتھ مل کر

خبر ہے مبتداء کی، مبتداء اپنی خبر کے ساتھ مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

اور" ومن عداهم يتوقف فيه" مستثنیٰ منہ ہے اور" حماد بن سلمه" مستثنیٰ ہے۔

جس کی مزید وضاحت حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کے اپنے کلام میں ہی موجود ہے جو انہوں نے فتح الباری کے مقدمہ میں بیان فرمایا کہ:

"وتحصل لي من مجموع كلام الأئمة أن رواية شعبة وسفيان الثوری وزهيربن معاوية وزائدة وأيوب وحماد بن زيد عنه قبل الإختلاط وأن جميع من روى عنه غير هؤلاء فحديثه ضعيف لأنه بعد اختلاطه إلا حماد بن سلمة فاختلف قولهم فيه ....."

یعنی ائمہ کے کلام سے میرے سامنے یہ نتیجہ نکلا ہے کہ بے شک شعبہ، سفیان ثوری، زہیر بن معاویہ، زائدہ، ایوب اور حماد بن زید نے اس سے قبل از اختلاط روایت کیا ہے اور ان کے علاوہ ان سے روایت کرنے والے تمام کی حدیث ضعیف ہوگی کیونکہ وہ بعد از اختلاط ہے سوائے حماد بن سلمہ کے ان کے بارے محدثین کے قول مختلف ہیں۔

یہ ایک نمونہ ہے ساجد خان کی علمی قابلیت کا ورنہ اس مضمون میں خیانتوں کا ارتکاب اور جہالت کے کئی نمونے موجود ہیں، ہم صرف اختصار کو مدنظر رکھتے ہوئے ان سے صرف نظر کررہے ہیں۔

ساجد خان نے اپنے بزرگوں کے امکان کے پیش نظر شاید جھوٹ بھول کر وقوع جھوٹ کا مظاہرہ کر کے برابری سے بچنے کی کوشش کی ہے پھر ایک جھوٹ پر دوسرا جھوٹ بولا کہ:

''اور ابن مزیؒ نے تو صاف صریح لکھا ہے کہ عطاء بن السائب سے قدیما قبل الاختلاط نقل کرنے والوں میں ''شریک'' بھی ہیں''۔

یہ ابن مزی کون ہے؟۔

''تہذیب الکمال'' امام یوسف بن عبدالرحمٰن بن یوسف، ابوالحجاج، جمال الدین ابن الزکی ابومحمد القضاعی الکلبی المزی (م۷۴۲ھ) کی کتاب ہے، اور اس میں عطاء بن سائب کا ترجمہ جلد۲۰ صفحہ ۸۶ سے شروع ہوتا ہے اور صفحہ۹۴ تک جاتا ہے مگر صرف ایک بار شریک کا ذکر عطاء سے روایت کرنے والوں میں کیا گیا ہے ساجد خان نے نہ جانے اپنے کس بزرگ کی زنبیل سے یہ سب کچھ دیکھ کر لکھ مارا۔ ساجد خان کے پاس ''تہذیب الکمال'' تھی تو اس کو دیکھنے کی زحمت کر لیتا تو شاید اس زور طبع کا خیال پیدا نہ ہوتا۔

یاد رہے کہ حافظ یوسف مزی رحمۃ اللہ علیہ نے ''تہذیب الکمال جلد۱۲ صفحہ ۴۶۲ سے لیکر ۴۷۵ تک شریک کا ترجمہ ذکر کیا ہے اور اس میں بھی عطاء بن سائب سے قبل از اختلاط کا کوئی ذکر نہیں کیا۔

پس معلوم ہوا کہ ساجد خان نے جھوٹ سے کام لیا ہے کہ شریک نے عطاء بن سائب سے قبل از اختلاط سماع کیا ہے، زیادہ سے زیادہ اس بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ شریک وہ راوی ہے جس کے بارے میں معلوم ہی نہیں کہ اس نے عطاء بن سائب سے قبل از اختلاط سنا ہے یا بعد از اختلاط۔

پس مختلط کی ایسی روایت جس کے بارے میں علم نہ ہو کہ مروی عنہ نے قبل از اختلاط سنا ہے یا بعد از اختلاط اس کا حکم ساجد خان کے بزرگ پالن پوری کے بقول بھی توقف کرنے کا ہے، لہذا ساجد خان کا اس اثر کی تصحیح ثابت کرنے پر زور مارنا اور اپنے زور قلم کو منوانے کی کوشش کرنا نہ صرف اس اثر کی عیب پوشی کرنا ہے بلکہ دیوار عنکبوت چننے کی سعی لا

حاصل بھی ہے۔

نوٹ: یاد رہے کہ عطاء سے شریک کا قبل از اختلاط سماع اس کے بارے میں ساجد خان اور اس کے ہمنواؤں میں جو مشہور و معروف ہے اس کی کہانی بھی ملاحظہ فرمائیں: نواب صدیق حسن خان بھوپالی نے ''ابجد العلوم ج ا ص ۴۴۰، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، تحقیق عبد الجبار زکار'' میں لکھا کہ:

''زاد فی التھذیب ممن سمع منه قدیما قبل أن یتغیر شعبة وشریک وحماد لکن قال یحیی بن معین جمیع من روی عن عطاء روی عنه فی الاختلاط الا شعبة وسفیان فثبت أن شریکا سمع منه فی حالة الاختلاط والتغیر دون قبل ذلک وھذا الأثر الضعیف من روایة شریک عن عطاء''.

اور اسی بات کو علامہ عبد الحی لکھنوی نے ''زجر الناس علی انکار اثر ابن عباس ص ۱۰ (مجموعۃ رسائل اللکنوی ج ا ص ۴۰۲) انتشارات شیخ الاسلام احمد جام'' میں یوں لکھا کہ: ''ونقل بعضھم عن تھذیب الکمال للمزی من سمع منه قدیما قبل أن یتغیر شعبة وشریک وحماد فظھر بھذا أن اختلاط السائب لا یقدح فی الاحتجاج''.

راقم الحروف کے خیال میں ساجد خان نے بھی اسی سے لے کر تہذیب الکمال کا حوالہ جڑ دیا اور جہاں سے عطاء بن سائب کا ترجمہ شروع ہوتا تھا اسی صفحہ کا حوالہ لکھ مارا اگر تہذیب الکمال پاس ہوتی اور اس سے عطاء بن سائب کا ترجمہ پڑھنے کی توفیق مل جاتی تو شاید ایسا نہ ہوتا، واللہ اعلم بالصواب۔

مذکورہ اثر کو عطاء بن سائب سے روایت کرنے والے شریک بن عبداللہ النخعی ہیں اور ان کے بارے میں ساجد خان کے اپنے ابوحفص اعجاز احمد اشرفی فاضل جامعہ اشرفیہ لاہور نے لکھا ہے کہ:

''اس حدیث کی سند میں ایک راوی شریک بن عبداللہ القاضی ہے یہ حدیث بوجہ اختلاط فی العقل واوہام اس راوی کے ضعیف ہے۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: صدوق یخطئ كثيرا تغير حفظه منذ ولى القضاء بالكوفة و كان عادلا ، عابدا ، شديدا على أهل البدع (تقریب:۲۷۹۷) سچے ہیں۔ بہت زیادہ خطائیں کرتے تھے۔ کوفہ میں منصب قضاء پر فائز ہونے کے بعد ان کا حافظہ متغیر ہو گیا تھا۔ وہ عادل، فاضل، عابد اور اہل بدعت کے خلاف بہت سخت تھے۔ میزان الاعتدال میں بہت سارے محدثین کرامؒ کی جرحیں منقول ہیں اور یہ بھی ہے: حضرت معاویہ بن صالحؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے شریک کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا: وہ عاقل، صدوق، محدث اور اہل ریب اور اہل بدعت کے خلاف بہت سخت تھے۔ میں نے پوچھا کہ اسرائیلؒ اس سے زیادہ اثبت تھے تو کہنے لگے: ہاں! میں نے پوچھا: کیا شریک راوی سے احتجاج کیا جا سکتا ہے؟ فرمایا: میری رائے اس بارے مت پوچھ۔ میں نے پوچھا: کیا اسرائیلؒ سے احتجاج کیا جا سکتا ہے؟ تو فرمایا: ہاں، اللہ کی قسم!۔

(الدر الثمین فی الاخفاء بآمین ، ص۱۵۸۔۱۵۹ ،الکتاب یوسف مارکیٹ ، غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور)

ساجد خان کے ایک دوسرے بزرگ جس کو دیوبندی امام اہل سنت خیال کرتے ہیں نے لکھا ہے کہ:

"لیکن اس روایت کا مرکزی راوی شریکؒ ہے امام بیہقیؒ ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ اکثر محدثینؒ اس سے احتجاج نہیں کرتے (جلد ۱۰ص ۱۷۱) اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ یحییٰ قطانؒ اس کی اشد تضعیف کرتے تھے (جلد ۶ص ۱۳۶) عبداللہؒ بن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ اس کی حدیث قابل قبول نہیں ہے، جوزقانی اس کو سئ الحفظ اور مضطرب الحدیث کہتے ہیں ابراھیمؒ بن سعیدؒ کہتے ہیں کہ شریکؒ نے چارسو (۴۰۰) احادیث میں غلطی کی ہے (میزان جلد ۱ص ۴۴۴، تہذیب جلد ۴ص ۳۳۳) علامہ جزائریؒ لکھتے ہیں کہ ان کی حدیث مردود اور غیر مقبول ہے (توجیہ النظر ۲۵۲) حافظ ابن حجرؒ اس کو کثیر الخطاء لکھتے ہیں (تقریب ۱۶۹) مبارکپوریؒ صاحبؒ ایک مقام پر لکھتے ہیں یہ حدیث حسن کیسے ہوسکتی ہے اس کی سند میں شریک متفرد ہے اور وہ صاحب خطاء کثیر الغلط او [illegible]اب حافظہ کے مالک تھے (تحفۃ الاحوذی جلد ۱ص ۲۸۸)

(احسن الکلام جلد ۲ ص ۱۴۰ـ۱۴۱، مکتبة الصفدریه)

پس معلوم ہوا کہ ساجد خان کے اپنوں کے نزدیک ہی بغیر کسی اور علت کے صرف اس کے راوی شریک کی وجہ سے ہی یہ اثر ضعیف ہے، حالانکہ اس کی سند میں دوسری علتیں بھی موجود ہیں جیسا کہ عطاء بن سائب کا مختلط ہونا اور شریک کا قبل از اختلاط اس سے روایت کرنا ثابت نہ ہونا۔

بقیہ شریک کے بارے میں امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال ہی ملاحظہ فرمائیں:

"ھکذا رواہ شریک بن عبد اللہ القاضی، وغلط فیه موضعین أحدھما

فی قولـه جميع بن عمير وانما هو سعيد بن عمير ، والآخر فی وصله ، وانما رواه غيره ، عن وائل مرسلا " .

(السنن الکبری ٥/٤٣٢)

"ولـو ثبت هـذه الأحـاديث لـم يـكـن لأحـد فی خلافها حجة ،إلا أن الـحـديـث الأول ينفرد به شريک بن عبد اللّٰه وقيس بن الربيع ،وقيس بـن الـربيـع ضـعيف عـنـد أهـل العلم بالحديث ، وشريک بن عبد اللّٰه مـختـلف فيـه ،كان يحییٰ بن سعيد القطان لا يروی عنه ويضعف حديثه جدا ".

(السنن الکبری ٦/٢٢٦)

"رواه شـريـک بـن عبـد الـلّٰـه الـقـاضـی عـن مـنصور فخلط فی اسناده ....وهذا من خطأ شريک أو من روی عنه ..."

(السنن الکبری ٨/٤٤٨)

"وشـريـک لـم يـحتج به أكثر أهل العلم بالحديث ، وانما ذكره مسلم بن الحجاج فی الشواهد ...."

(السنن الکبری ١٠/٤٥٧)

یعنی اس اثر کے راوی شریک بن عبداللہ کے متعلق امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ اس کے متعلق کہتے ہیں کہ روایت میں غلطی کر جاتے تھے راویوں کے اسماء بدل دیتے اور موقوف کو موصول بنا دیتے ،شریک مختلف فیہ ہے اور یحییٰ قطان اس کی حدیث کو سخت ضعیف سمجھتے

تھے، اور یہ کہ شریک بن عبداللہ سے اہل علم کی اکثریت حجت نہیں پکڑتی۔

اس اثر کے راوی ''احمد بن یعقوب بن احمد بن مہران، ابوسعید الثقفی النیشاپوری'' جو امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کے شیوخ میں سے ہیں جن کو آپ نے ''الزاھد'' کہا ہے (مستدرک) جبکہ ان کے بارے میں امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے (تاریخ الاسلام ۷/ ۳۵۷ برقم (۳۰۹)) میں ''الزاھد العابد'' کے الفاظ بیان کئے ہیں اور کوئی جرح وتعدیل کا کلمہ نقل وذکر نہیں کیا، اور نہ ہی راقم الحروف کو کسی اور امام فن سے اس کی توثیق میں کوئی کلمہ ملا ہے البتہ ابوالطیب نایف بن صلاح نے ''الروض الباسم فی تراجم شیوخ الحاکم'' میں لکھا ہے کہ: '' قلت : صدوق عابد ''.

یہ کلمات بھی امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ پر اعتماد کرتے ہوئے کہے ہیں اور امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کے بارے ساجد خان کے بزرگوں کے نظریات کو پیچھے ذکر کردیا گیا ہے۔

پس باعتبار سند اس اثر میں ایک نہیں دو واضح علتیں موجود ہیں اور ایک راوی یعنی شیخ حاکم رحمۃ اللہ علیہما کا مرتبہ بھی ایسا نہیں ہے کہ اس کی روایت کو بقول شمس الدین رومی حنفی قرآنی آیات اور اجماع کے خلاف ہونے کے باوجود صحیح کہا جائے اور قبول کیا جائے پس ایسا کمال ساجد خان اور اس کے ہمنوا ہی کر سکتے ہیں کوئی اہل علم ایسا نہیں کر سکتا، واللہ اعلم

۔

یہ اس اثر کی اسنادی حیثیت ہے جس سے ساجد خان نے استدلال کر کے اُمت مسلمہ کے ایک اجماعی مسئلہ اور قرآن مجید سے ظاہر مسئلہ کی مخالفت کی ہے۔

ائمہ وعلماء کا اس اثر کی تضعیف کرنا

(1) امام شمس الدین ابوالخیر محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۹۰۲ھ) آپ نے اس اثر کو "المقاصد الحسنة فى بيان كثير من الأحاديث المشتهرة على الألسنة، ص ۱۰۲ برقم (۹۱)، دار الكتاب العربى، بيروت" میں ذکر کیا اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ذکر کرنے کے بعد حافظ ابن کثیر کے قول کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: "فهو محمول ان صح نقله عنه أي عن ابن عباس على أنه أخذه عن الإسرائيليات، وذلك وأمثاله، وإذا لم يخبر به ويصح سنده إلى معصوم فهو مردود على قائله". پس آپ نے تصحیح بیہقی کا رد تو ابن کثیر کے قول سے کر دیا اور اس کے بعد کوئی ایسا جملہ نہیں لکھا جس سے معلوم ہو کہ آپ اس کے صحیح یا حسن ہونے کے قائل ہیں، واللہ اعلم۔

(2) امام جلال الدین السیوطی، عبدالرحمٰن بن ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ (م ۹۱۱ھ) ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"هذا الحديث رواه الحاكم في المستدرك وقال صحيح الإسناد، ورواه البيهقى فى شعب الإيمان وقال: إسناده صحيح ولكنه شاذ بمرة، وهذا الكلام من البيهقى فى غاية الحسن؛ فانه لا يلزم من صحة الإسناد صحة المتن كما تقرر فى علوم الحديث؛ لاحتمال أن يصح الإسناد ويكون فى المتن شذوذ أو علة تمنع صحته وإذا تبين ضعف الحديث أغنى ذلك عن تأويله؛ لأن مثل هذا المقام لا تقبل فيه

الأحاديث الضعيفة، ....."۔

(الحاوی للفتاوی، ج۱ ص ٤٦٢، دار الفکر للطباعة والنشر، بیروت)

یعنی یہ حدیث اس کو امام حاکم نے مستدرک میں روایت کیا ہے، اور صحیح الاسناد کہا ہے اور اس کو امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے شعب الایمان میں روایت کیا اور کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے مگر یہ شاذ بالمرہ ہے اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کلام بہت ہی عمدہ ہے، کیونکہ سند کی صحت سے متن کی صحت لازم نہیں آتی جیسا کہ علوم حدیث میں مقرر ہے کیونکہ اس میں احتمال ہے کہ سند صحیح ہو اور متن میں شذوذ ہو یا کوئی اور علت ہو جو اس کی صحت سے مانع ہو، اور جب حدیث کا ضعف ظاہر ہو گیا تو اب اس کی تاویل کرنے کی کوئی ضرورت نہ رہی، کیونکہ اس جیسے مقام میں ضعیف حدیثیں قبول نہیں کی جاتیں۔

(3) امام شہاب الدین احمد بن حمزہ الرملی رحمۃ اللہ علیہ (م ۹۵۷ھ) نے بھی امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ کی بات کو ذکر کیا ہے۔

(فتاوی الرملی فی فروع الفقه الشافعی، ص ٦٥٢، دار الکتب العلمیة، بیروت)

(4) علامہ شہاب الدین احمد بن محمد بن علی بن حجر ہیتمی رحمۃ اللہ علیہ (م ۹۷۴ھ) نے "فتاوی حدیثیه ١٤١" میں امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ سے مذکورہ کلام کو نقل کیا ہے۔

(5) امام نور الدین، ابو الحسن علی بن سلطان محمد المعروف ملا علی القاری الحنفی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۰۱۴ھ) نے اس اثر کو "موضوعات الکبری" میں ذکر کیا جیسا کہ پیچھے ذکر ہوا ہے۔

(6) علامہ عبدالرحمٰن بن یحییٰ المعلمی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۸۶ھ) فرماتے ہیں کہ:

”أما هذا فليس سنده بصحيح لأنه من طريق شريک عن عطاء بن السائب عن أبي الضحى عن ابن عباس ، وشريک يخطئ كثيرا ويدلس ،وعطاء ابن السائب اختلط قبل موته بمدة وسماع شريک منه بعد الاختلاط ...“.(الأنوار الكاشفة لما في كتاب ”أضواء على السنة“من الزلل والتضليل والمجازفة ، ص ۱۱۷،المطبعة السلفية ومكتبتها ،عالم الكتب بيروت)

یعنی یہ جو اثر ہے پس اس کی سند صحیح نہیں کیونکہ یہ شریک عن عطاء بن السائب۔۔۔الخ۔ کے طریق سے ہے اور شریک بہت زیادہ خطائیں کرنے والے اور مدلس ہیں اور عطاء بن سائب اپنی وفات سے مدت پہلے اختلاط کا شکار ہو گئے تھے اور شریک کا ان سے سماع بعد از اختلاط ہے۔

(7) شیخ حمود بن عبداللہ بن حمود التویجری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۴۱۳ھ) نے لکھا ہے کہ:

”وأما الأثر المروى في ذلک من طريق أبي الضحى عن ابن عباس رضى اللہ عنهما أنه قال : في كل أرض نبي كنبيكم إلى آخره . فهو أثر منكر جدا . قال البيهقي هو شاذ بمرة لا أعلم لأبي الضحى عليه متابعا .وقد ذكره ابن كثير رحمه اللہ تعالى في البداية والنهاية وقال : انه محمول ان صح نقله عن ابن عباس رضى اللہ عنهما على أنه أخذه من الاسرائيليات .

قلت : ومثله لا يثبت به شئ والله أعلم .

(الصواعق الشديدة على اتباع الهيئة الجديدة، ص ۱۸۲، الطبعة الأولى ۱۳۸۸ھ)

اوراس بارے میں جواثر ابوالضحیٰ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما کے طریق سے مروی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ"ہر زمین میں نبی ہیں تمہارے نبی کی طرح آخر تک "پس یہ اثر سخت قسم کا منکر ہے۔امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ"یہ شاذ بالمرہ ہے میں نہیں جانتا کہ کسی نے اس پر ابوالضحی کی متابعت کی ہو۔اور تحقیق حافظ ابن کثیر نے اس کو البدایہ والنہایہ میں ذکر کیا اور کہا ہے کہ:"اگر سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کی نقل صحیح ہو تو آپ نے یقیناً اس کو اسرائیلی روایات سے لیا ہے۔میں کہتا ہوں کہ اور اس کی مثل کوئی چیز ثابت نہیں ہے، واللہ اعلم۔

(8) شیخ محمد عمر الحاجی نے لکھا ہے کہ:

"وسند الحديث أيضا ضعيف ، لأن (شريک) يخطئ ، وقد تغير حفظه منذ ولي القضاء فى الكوفة ، وعطاء بن السائب اختلط قبل موته".

(موسوعة التفسير قبل عهد التدوين ،ص ۱۷۶، دار المكتبه،دمشق)

اور ایسے ہی (اس) حدیث (اثر) کی سند ضعیف ہے، کیونکہ شریک خطائیں کرنے والا ہے، اور کوفہ میں منصب قضاء پر فائز ہونے کے بعد ان کا حافظہ متغیر ہو گیا تھا، اور عطاء بن سائب تو وہ بھی وفات سے پہلے مختلط ہو گئے تھے۔

(9) محمد رفیق الحسینی سے اس کی تضعیف پیچھے ذکر ہو چکی۔

(10) ابوعبدالرحمٰن محمود بن محمد الملاح نے "الأحاديث الضعيفة والموضوعة التى

حکم علیها الحافظ ابن کثیر فی تفسیره برقم (۸۰۳) المکتبة العلوم والحکم المدینة المنورة " میں ذکر کیا ہے۔

(11) امام ابوحیان محمد بن یوسف اندلسی رحمۃ اللہ علیہ (م۷۴۵ھ) اس اثر کی واقدی کے طریق سے سند کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

"وهذا حدیث لا شک فی وضعه".

(البحر المحیط فی التفسیر، ج۱۰ ص ۲۰۵، دار الفکر بیروت، وج۸ ص ۲۸۳، دار الکتب العلمیة، بیروت)

اور اس اثر کے من گھڑت ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔

(12) اسی بات کو علامہ شہاب الدین سید محمود آلوسی بغدادی (م۱۲۷۰ھ) نے اپنی تفسیر "روح المعانی ۱۴/ ۳۳۸" میں نقل کیا ہے۔

(13) اسی بات کو علامہ محمد امین بن عبداللہ الارمی الہروی "المدرس بدار الحدیث الخیریة فی مکة المکرّمة" نے اپنی تفسیر "حدائق الروح والریحان فی روابی علوم القرآن، جلد۲۹ ص ۴۳۳، دار طوق النجاۃ" میں نقل کیا ہے۔

(14) اسی بات کو شیخ محمد عمر الحاجی نے "موسوعة التفسیر قبل عهد التدوین، ص۱۷۶، دار المکتبی، دمشق" میں نقل کیا ہے۔

☆ ساجد خان لکھتا ہے کہ: "اللہ پاک جزائے خیر دے قاسم العلوم والخیرات حجۃ اللہ فی الارض حضرت امام نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو کہ اس حدیث کا ایسا دلنشین مطلب بیان کیا کہ حدیث کی صحت بھی برقرار رہی اور نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام کی ختم نبوت پر بھی کوئی

حرف نہ آیا"۔(صفحہ۲۰)

☆☆جی ہاں !اس اثر کی صحت کو برقرار رکھا مگر بقول انور شاہ شاہ کاشمیری اپنی تحقیق منواتے منواتے قرآن مجید کی مخالفت کر گئے جیسا کہ کاشمیری نے لکھا ہے کہ:"اور مولانا نانوتوی کے کلام سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہر زمین کے لئے اسی طرح آسمان بھی ہے جس طرح ہماری زمین کے لئے آسمان ہے اور قرآن مجید سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ تمام سات آسمان صرف اسی زمین کے لئے ہیں"۔(فیض الباری)

یہی دیوبندی محدث انور شاہ کشمیری صاحب کی بیان کردہ اصطلاح بالعرض اور بالذات کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

"ولهذا عاقب وحاشر ومقفى همه در اسماء گرامی آمده اند نه برلحاظ ما بعد واراده ما بالذات وما بالعرض عرف فلسفه است نه عرف قرآن حكيم وحوار عرب ونه نظم راهيچگو نه ايماء ودلالت برآن پس اضافه استفادهٔ نبوت زيادت است بر قرآن بمحض اتباع هوى ..."۔

(خاتم النبیین ﷺ، بسلسلہ مطبوعات مجلس علمی نمبر ۱۴، صفحہ ۳۸، ۱۳۵۳ھ مدینہ پریس بجنور)

اسی کتاب کو دیوبندیوں کے محمد یوسف لدھیانوی کے ترجمہ وتشریح کے ساتھ شائع کیا ہے اسی کے لفظوں میں ملاحظہ فرمائیں:

"یہی وجہ ہے کہ عاقب، حاشر اور مقفی جو سب آنحضرت ﷺ کے اسماء گرامی ہیں مابعد کے لحاظ سے نہیں (بلکہ ماقبل کے لحاظ سے ہیں جیسا کہ ان کے معانی پر غور کرنے سے

بادنی تأمل معلوم ہوسکتا ہے) اور (خاتمیت سے یہ مراد لینا کہ چونکہ آپ ؐ کی نبوت 'بالذات' ہے اور دوسروں کی نبوت 'بالعرض'۔ لہذا آپ ؐ سے استفادہ کے ذریعہ اب بھی نبوت مل سکتی ہے خاتمیت کا یہ مفہوم غلط ہے کیونکہ) مابالذات اور مابالعرض کا ارادہ فلسفہ کی اصطلاح ہے، نہ تو یہ قرآن کا عرف ہے، نہ زبان عرب ہی اس سے آشنا ہے نہ قرآن کریم کی عبارت میں اس کی جانب کسی قسم کا اشارہ یا دلالت موجود ہے۔ پس اس آیت میں ''استفادہ نبوت'' کا اضافی مضمون داخل کرنا محض خودغرضی اور مطلب براری کیلئے قرآن پر زیادتی ہے''۔

(خاتم النبیین صفحہ ۲۰۴ ،عالمی مجلس تحفظ ختم نبوۃ،ملتان)

اب ساجد خان اور اس کی جماعت کے ہمنوا ہی زیادہ بہتر بتا سکتے ہیں کہ ان کے دونوں بزرگوں میں سے سچا کون ہے اور جھوٹا کون ہے؟۔

☆ ساجد خان نے علامہ غلام رسول سعیدی مدظلہ العالی کی تفسیر تبیان القرآن سے بھی اپنا مقصد حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہوئے ان کی عبارات کو نقل کیا مگر کیا کہا جا سکتا ہے سوائے اس کے کہ دھوکہ دہی جو ساجد خان کے حصہ میں آئی ہے وہ کسی اور کو نصیب نہ ہو کہ ان کی عبارات کو بھی نقل کرنے میں خیانت سے کام لیا حوالہ دیا جلد۱۲ ص ۹۲ تا ۹۴ کا مگر درمیان سے عبارتیں صرف اپنی مرضی کی لکھیں حالانکہ علامہ سعیدی صاحب نے صفحہ ۹۳ پر علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت ان الفاظ میں لکھی ہے کہ: ''اس حدیث کی دو سندیں ہیں ایک حضرت ابن عباس تک متصل اور دوسری سند ابوالضحی پر موقوف ہے

(ساجد خان نے صرف یہاں تک لکھا ہے اگلی عبارت) اور اس حدیث کا وہی معنی ہے جو ابوسلیمان دمشقی نے بیان کیا ہے کہ ہر زمین میں اللہ کی مخلوق ہے اور اس مخلوق میں ان کا ایک سردار اور بڑا ہے اور ان پر مقدم ہے جیسے حضرت آدم ہمارے بڑے اور ہم پر مقدم ہیں اور ان کی اولاد میں کسی بڑے کی عمر حضرت نوح جتنی ہے اور اسی طرح باقی ہیں۔ (زادالمسیر ج ۸ ص ۳۰۰، مکتب اسلامی، بیروت ۱۴۰۷ھ)

علامہ ابوحیان محمد بن یوسف اندلسی متوفی ۷۵۴ھ لکھتے ہیں: اس حدیث کے موضوع ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ (البحرالمحیط ج ۱۰ ص ۲۰۵)

حافظ عمادالدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی متوفی ۷۷۴ھ نے اپنی تفسیر میں سات زمینوں سے متعلق اثر ابن عباس کو امام بیہقی کی ''کتاب الاسماء والصفات'' کے حوالے سے نقل کیا ہے اور اس کی سند پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۴۲۳) اور اپنی تاریخ میں اس پر یہ تبصرہ کیا ہے: امام ابن جریر نے اس کا مختصراً ذکر کیا ہے اور امام بیہقی نے ''کتاب الاسماء والصفات'' میں اس کا تفصیل سے ذکر کیا ہے اور یہ اس پر محمول ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کو اسرائیلیات سے اخذ کیا ہے (البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۴۸، دارالفکر، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

اس کے بعد صفحہ ۹۳ کی ہی عبارت سے علامہ عینی، سخاوی اور سیوطی رحمۃ اللہ علیہم کی عبارات کو ترک کر دیا اور بعد میں علامہ آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت بھی صرف اپنے مقصد کو حل کرنے کے لئے تھوڑی سے نقل کی جب کہ اس میں یہ بھی تھا کہ: ''اور اس سے مراد یہ ہے کہ ہر زمین میں ایک مخلوق ہے جس کی ایک اصل ہے جیسے ہماری زمین میں ہماری ایک اصل ہے اور وہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور ہر زمین میں ایسے افراد

بھی ہیں جو دوسروں سے ممتاز ہیں، جیسے ہماری زمین میں حضرت نوح اور ابراہیم وغیرہ ہیں۔ (روح المعانی جز ۲۸ ص ۲۱۱، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

یہ وہ عبارات ہیں جن کو حوالہ دینے کے باوجود ساجد خان نے جان بوجھ کر چھوڑ دیا کیونکہ ان میں علماء کی تصریحات سے ثابت ہو رہا تھا کہ اگر بالفرض محال اس اثر کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ تمہارے نبی ﷺ کی طرح نبی ہیں بلکہ یہ ہے کہ جس طرح اس زمین پر حضرت آدم علیہ السلام، نوح علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام اور ہمارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ انبیاء کرام افضل و مقدم ہیں اسی طرح ان زمینوں کی مخلوقات میں بھی ان کے سردار وافضل افراد ہیں، اور یہ کہ یہ اسرائیلیات سے ہے۔

جبکہ علامہ سعیدی تو اس کے قائل ہیں کہ اس اثر کی سند کے صحیح ہونے میں بھی اختلاف ہے اور متن پر بھی اشکال وارد ہوتے ہیں جیسا کہ انہوں نے لکھا کہ:

"یہاں تک ہم نے مستند ائمہ اور علماء کی عبارات سے واضح کیا ہے کہ حضرت ابن عباس کے اس اثر کے صحیح ہونے میں کافی اختلاف ہے، سند کے علاوہ اس اثر کے متن پر بھی اشکال ہے۔۔۔(تبیان القرآن ج ۱۲ ص ۹۴)

حالانکہ علامہ سعیدی صاحب کی تبیان القرآن کے بعد آنے والی صحیح بخاری کی شرح "نعمة الباری فی شرح صحیح البخاری" ہے جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ: "سات زمینوں کے متعلق اثر ابن عباس۔۔۔۔امام حاکم نے کہا: یہ حدیث صحیح الاسناد ہے، امام بخاری اور امام مسلم نے اس کو روایت نہیں کیا، حافظ ذہبی نے بھی کہا: یہ حدیث صحیح ہے۔ (المستدرک ج ۲ ص ۴۹۳، طبع قدیم) جبکہ علامہ ابوحیان محمد بن یوسف اندلسی

متوفی ۷۵۴ھ لکھتے ہیں: اس حدیث کے موضوع ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ (البحر المحیط ج ۱۰ ص ۲۰۵) حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں: یہ حدیث اس پر محمول ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کو اسرائیلیات سے اخذ کیا ہے (البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۴۸، دارالفکر، بیروت ۱۴۱۸ھ) علامہ احمد بن اسماعیل کورانی متوفی ۸۹۳ھ لکھتے ہیں: یہ اثر اجماع مسلمین اور صریح آیات کے مخالف ہے۔ (الکوثر الجاری ج ۶ ص ۱۶۲، داراحیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۲۹ھ)

اثر ابن عباس پر اہم اشکال

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس اثر پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ اگر ہر زمین میں سیدنا محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوں اور خاتم النبیین ہوں، پس اگر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہیں تو آپ خاتم النبیین نہ رہے، پس وہ آپ کی مثل نہ ہوئے کیونکہ آپ کے بعد ان زمینوں میں محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں اور اگر ان زمینوں میں آپ سے پہلے محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں تو پھر وہ خاتم النبیین نہ رہے کیونکہ ان کے بعد آپ کی نبوت ہے اور جب وہ خاتم النبیین نہیں ہیں تو پھر آپ کی مثل نہ ہوئے، حالانکہ اس اثر میں یہ مذکور ہے کہ ہر زمین میں تمہارے نبی کی مثل نبی ہے۔

اشکال مذکور کا جواب شیخ قاسم نانوتوی سے

شیخ قاسم نانوتوی متوفی ۱۲۹۷ھ نے اس اشکال کے جواب میں لکھا ہے: سو عوام کے خیال میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیاء سابق کے زمانہ کے بعد ہے اور آپ سب میں آخری نبی ہیں مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم یا تاخر زمانہ میں بالذات کچھ فضیلت نہیں پھر مقام مدح میں ﴿ولکن رسول اللہ وخاتم

النبیین﴾ فرمانا اس صورت میں کیونکر صحیح ہوسکتا ہے (تحذیر الناس ص ۳، مطبوعہ دیوبند، ۱۳۹۵ھ)

شیخ نانوتوی کے جواب پر علماء کے تبصرے

اس عبارت پر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے تکفیر کی ہے، کیونکہ خاتم النبیین کا یہ معنی کہ آپ کا زمانہ انبیاء سابق کے بعد ہے، قطعی اور متواتر ہے اور اس کا انکار کفر ہے اور شیخ نانوتوی نے اس معنی کو عوام کا خیال لکھا ہے۔

شیخ انور شاہ کشمیری متوفی ۱۳۵۲ھ اس عبارت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہ اثر مرہ کی وجہ سے شاذ ہے اور جو چیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قطعی طور پر ثابت ہو، اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کا انکار کفر ہے اور جو چیز آپ سے ثابت نہ ہو اس کا تسلیم کرنا اور اس پر ایمان لانا ہم پر واجب نہیں ہے اور ظاہر یہ ہے کہ یہ اثر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں ہے، لہذا اس کی شرح میں اپنے آپ کو تھکانا نہیں چاہیے۔ مولانا نانوتوی نے اس اثر کی شرح میں ایک رسالہ لکھا ہے جس کا نام انہوں نے ''تحذیر الناس عن انکار اثر ابن عباس'' رکھا ہے اور اس میں یہ تحقیق کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا اس کے منافی نہیں کہ کسی اور زمین میں دوسرا خاتم ہو، جیسا کہ اثر ابن عباس میں ہے، اور مولانا نانوتوی کے کلام سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہر زمین کے لئے اسی طرح آسمان بھی ہے، جس طرح ہماری زمین کے لئے آسمان ہے، اور قرآن مجید سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ تمام سات آسمان صرف اسی زمین کے لئے ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ جب حضرت ابن عباس کے اس اثر کے ساتھ ہماری نماز اور روزہ کا کائی امر متعلق نہیں ہے تو اس اثر کی شرح کو چھوڑنا بہتر ہے۔ (فیض

الباری ج ۳ ص ۳۳۴_۳۳۳، مطبوعہ حجازی، قاہرہ، ۱۳۵۷ھ)

(نعمة الباری فی شرح صحیح البخاری، ج٦ ص ٢١٤ _ ٢١٥، فرید بک سٹال ، لاهور)

(1) ☆ ساجد خان نے اس کے بعد اثر ابن عباس پر اعتراضات کا تحقیقی جائزہ لکھتے ہوئے تصحیح حاکم رحمۃ اللہ علیہ میں تساہل کا جواب دیتے ہو لکھا ہے: ''درست کہا مگر روایت کی تصحیح میں صرف امام حاکمؒ متفرد نہیں بلکہ امام بیہقیؒ و امام ذہبیؒ نے بھی ان کی موافقت کی ہے اور آپ نے یہ بھی پڑھا ہوگا کہ جب حاکمؒ کی تصحیح پر ذہبیؒ موافقت کرے تو روایت قابل قبول ہوگی''۔ (صفحہ ۲۲_۲۳)

☆☆ تصحیح حاکم رحمۃ اللہ علیہ میں تساہل کا اقرار ساجد خان کو خود ہی ہے مگر سہارا امام بیہقی اور ذہبی رحمۃ اللہ علیہما کا بھی کچھ فائدہ مند نہیں ہوگا کیونکہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اگر صحیح کہا ہے تو ساتھ شاذ بھی کہا ہے اور امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے گو اس مقام پر امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کی موافقت فرمائی ہے مگر دوسرے مقام پر وہ لکھتے ہیں کہ: ''ورواه عطاء بن السائب مطولا بزيادة، غير أننا لا نعتقد ذلك أصلا ..... شريك وعطاء فيهما لين لا يبلغ بهما رد حديثهما، وهذه بلية تحير السامع، كتبتها استطرادا للتعجب، وهو من قبيل اسمع واسكت''۔

(العلو للعلی الغفار ص ٧٥، مكتبة أضواء السلف، الرياض)

اور اس کو عطاء بن سائب نے زیادت کے ساتھ تفصیلاً بھی روایت کیا ہے سوائے اس کے کہ ہم اس پر اصلاً اعتقاد نہیں رکھتے اور شریک اور عطاء ان دونوں میں کمزوری ہے مگر یہ نہیں کہ ان کی حدیث کو رد کر دیا جائے اور یہ بات سننے والی کے لئے حیران کن ہے میں

نے اس کو ذوارن گفتگو صرف تعجب کے لئے لکھا ہے اور یہ اس قبیل سے ہے کہ تو سن اور چپ رہ۔

(2) ☆ ساجد خان لکھتا ہے کہ ہم نے ماقبل میں صراحت کے ساتھ امام ذہبیؒ سے ''صحیح علی شرط البخاری والمسلم'' کے الفاظ نقل کئے ہیں البتہ ''آکام المرجان'' والے نے ذہبیؒ کے حوالے سے ''حسن'' کا لفظ نقل کیا ہے لیکن یہ ہمارے خلاف نہیں کیونکہ بہت سے متقدمین حسن اور صحیح میں فرق نہیں کرتے بلکہ حسن کو صحیح ہی میں شمار کرتے ہیں بلکہ امام حاکمؒ کا تو عام صنیع ہی یہی ہے کہ وہ صحیح پر حسن کا اطلاق کرتے ہیں۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو (ا) (اتدریب الراوی شرح تقریب النووی، ص ۱۳۸: قدیمی کتب خانہ، کراچی) پس جب دونوں میں کوئی فرق نہیں تو اس اعتبار سے **لا منافاة بین تصحیح الحاکم والبیهقی وتحسین الذهبی فافهم**۔ (صفحہ ۲۳)

☆☆ ساجد خان کے اس جواب کو پڑھ کر وہ کہاوت یاد آ گئی کہ ''کہو کھیت کی سنے کھلیان کی'' بات تھی امام ذہبی کی تحسین کی اور بات کر رہا ہے کہ امام حاکمؒ کا تو عام صنیع ہی یہی ہے کہ وہ صحیح پر حسن کا اطلاق کرتے ہیں۔ نانوتوی صاحب نے بھی امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی تحسین ہی کا ذکر کیا (جیسا کہ پیچھے ذکر ہوا)

ساجد خان نے یہاں متقدمین کی بات تو کی مگر اپنے گھر کے بزرگوں کو نہیں پڑھا خیر محمد جالندھری بانی مدرسہ خیر المدارس ملتان نے لکھا ہے کہ:

''**حدیث حسن لذاته**: وہ ہے جس کے راوی میں صرف ضبط ناقص ہو باقی دوسری شرائط صحیح لذاتہ کی اس میں موجود ہوں۔ حسن لذاتہ گو رتبہ میں صحیح لذاتہ سے کمتر ہے۔ تاہم

قابل احتجاج ہونے میں اس کی شریک ہے۔ جس طرح صحیح لذاتہ میں اختلاف مدارج ہے اسی لئے حسن لذاتہ میں بھی اختلاف مدارج ہوگا۔" (سلعة القربة فی توضیح شرح النخبة ، ص ٣٤ ، ادارہ اسلامیات ، لاہور)

(3) ☆ ساجد خان نے اس کے بعد عطاء بن سائب کے اختلاط اور شریک کے اس سے روایت کرنے کا ذکر کیا جس میں بیان کردہ اس کے جھوٹوں کو ہم پیچھے ذکر کر چکے ہیں

(4) ساجد خان واقدی کے حوالہ سے لکھتا ہے کہ: "ہم نے مکمل سند پیش کردی ہے اس میں واقدی کا نام دکھانے پر منہ مانگا انعام۔

☆☆ امام ابو حیان اندلسی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سند کی طرف اشارہ کیا ہے ہو سکتا ہے کہ ان کے پیش نظر کوئی ایسی سند ہو جس میں واقدی موجود ہو جس کا انہوں نے تذکرہ کیا ہے

(5) ☆ ساجد خان اس بات کہ "یہ حدیث شاذ ہے اور حدیث صحیح کیلئے شرط یہ ہے کہ وہ شذوذ سے پاک ہو لہذا یہ حدیث صحیح نہیں ہے" کا جواب دیتے ہوئے لکھتا ہے کہ: "یہ بھی اہل بدعت کا نرا مغالطہ ہے وہ اس طرح کہ شاذ علی الاطلاق صحت کے منافی نہیں بلکہ اس میں تفصیل ہے کہ ایک شاذ وہ ہے جو "مقبول" ہے اور ایک شاذ وہ ہے جو "مردود" ہے شاذ مردود تو وہ ہے جس میں ثقہ راوی اپنے سے اوثق راوی کی مخالفت کرے سو یہ شاذ صحت کے منافی ہے۔ اور شاذ مقبول یہ ہے کہ جس میں صرف ایک ثقہ راوی روایت نقل کرے اس تفرد کی وجہ سے شاذ ہو تو یہ شاذ مردود نہیں بلکہ مقبول ہے، اور ایسی شاذ روایت صحیح میں شمار ہوتی ہے۔ (صفحہ ۲۴)

☆☆ محدثین کے نزدیک صحیح حدیث کے لئے شذوذ وعلل سے پاک ہونا شرط ہے، ملاحظہ ہو:

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۸۵۲ھ) لکھتے ہیں کہ:

"وخبر الآحاد: بنقل عدل، تام الضبط، متصل السند غير معلل، ولا شاذ، هو الصحيح لذاته".

(نزهة النظر فی توضيح نخبة الفكر، ص ۲۵-۲۶، نور محمد اصح المطابع، آرام باغ، کراچی)

اور "خبر آحاد" اچھی طرح محفوظ کرنے والے، معتبر راوی کے بیان کرنے سے، سند متصل کے ساتھ، جو معلول بھی نہ ہو اور شاذ بھی نہ ہو یہی (حدیث) صحیح لذاتہ ہے۔

اسی کی شرح میں پالن پوری دیوبندی نے لکھا ہے کہ:

"صحیح لذاتہ" وہ حدیث ہے جس کے تمام راوی عادل (ثقہ یعنی معتبر) ہوں، اور حدیث شریف کو سند کے ساتھ خوب اچھی طرح محفوظ کرنے والے ہوں، اور اس کی سند متصل ہو (یعنی سند میں سے کوئی راوی چھوٹ نہ گیا ہو) اور اسناد میں کوئی علت خفیہ (پوشیدہ) نہ ہو اور وہ روایت شاذ بھی نہ ہو۔

(تحفة الدرر شرح نخبة الفكر، ص ۱۵، قديمی كتب خانه كراچی)

حافظ ابن کثیر، ابوالفداء اسمعیل بن عمر الدمشقی (م ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں کہ:

"أما الحديث الصحيح فهو الحديث المسند الذی يتصل إسناده بنقل العدل الضابط عن العدل الضابط إلى منتهاه ولا يكون شاذا ولا معللا".

یعنی صحیح حدیث اس مسند حدیث کو کہتے ہیں جس کی سند عادل وضابط راویوں کی سند کے ساتھ آخر تک متصل ہو اور وہ شاذ و معلول بھی نہ ہو۔ (اختصار علوم الحدیث)

امام ابوعمرو عثمان بن عبدالرحمٰن الشہرزوری المعروف ابن الصلاح رحمۃ اللہ علیہ (م۶۴۲ھ) فرماتے ہیں کہ:

"أما الحديث الصحيح فهو الحديث المسند الذی يتصل إسناده بنقل العدل الضابط عن العدل الضابط إلى منتهاه ولا يكون شاذا، ولا معللا". (مقدمة ابن الصلاح فی علوم الحديث ص ۷-۸، المطبعة القيمة - بمبئ، الهند)

امام شرف الدین الطیبی رحمۃ اللہ علیہ (م۷۴۳ھ) فرماتے ہیں کہ:

"الصحيح: هو ما اتصل سنده بنقل العدل الضابط عن مثله وسلم من شذوذ وعلة".

(الخلاصة فی معرفة الحديث ۳۵، المكتبة الاسلامية للنشر والتوزيع)

یہ بات اصول حدیث کی تقریباً تمام کتب اور ساجد خان کے کئی بزرگوں سے نقل کی جا سکتی ہے مگر اختصار کے پیش نظر ہم انہی چند حوالوں پر اکتفاء کرتے ہیں۔

☆☆ ساجد خان نے لکھا ہے کہ: "شاذ مقبول یہ ہے کہ جس میں صرف ایک ثقہ راوی روایت نقل کرے اس تفرد کی وجہ سے شاذ ہو تو یہ شاذ مردود نہیں بلکہ مقبول ہے، اور ایسی شاذ روایت صحیح میں شمار ہوتی ہے"۔

اب اس اصول کے تناظر میں ساجد خان کو چاہیئے تھا کہ اس اثر کے راویوں کی توثیق ثابت کرتا پھر کہتا کہ یہ فقط ثقہ کی زیادت ہے مگر ہم پیچھے انہی کے فاضل کے حوالہ سے ذکر کر چکے ہیں کہ شریک بن عبداللہ ثقہ نہیں ہے اور ان کے فاضل کے بقول اس کی روایت صحیح نہیں بلکہ ضعیف ہوتی ہے تو یہاں زیادت یا تفرد ثقہ کی تو بات ہی نہیں بلکہ

راوی ہی بقول فاضل اشرفیہ ضعیف ہے تو یہ اثر اس راوی کے ضعف کے سبب ضعیف قرار پائے گا۔

ثـانیـا : اس اثر میں شریک بن عبداللہ اپنے سے اوثق راوی کی مخالفت بھی کررہا ہے لہذا ساجد خان کے بیان کردہ اصول کے پیش نظر بھی یہ اثر شاذ کی قسم مردود سے ہوگا، کیونکہ اس اثر میں شریک بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ نے شعبہ بن حجاج رحمۃ اللہ علیہ کی مخالفت کی ہے اور شریک کے بارے میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:"صدوق یخطئ کثیرا ..." جبکہ شعبہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:"ثقة حافظ متقن ..."لہذا امام شعبہ اوثق ہیں شریک بن عبداللہ سے اور شریک ان کی مخالفت کررہے ہیں اور ساتھ ہی ان کا سماع عطاء بن سائب سے بعد از اختلاط ہے، جیسا کہ امام ابو محمد موفق الدین ابن قدامہ حنبلی دمشقی رحمۃ اللہ علیہ (م ٦٢٠ھ)"المنتخب من علل الخلال "میں لکھتے ہیں کہ:

"أخبرني أحمد بن أصرم المزني ،أن أبا عبد الله سئل عن حديث شريک ،عن عطاء بن السائب عن أبی الضحی ، عن ابن عباس فی قوله تعالی ﴿ومن الأرض مثلهن يتنزل الأمر بينهن﴾قال : بينهن نبی کنبيکم ، ونوح کنوحکم ، وآدم کآدمکم . قال أبو عبد الله : هذا رواه شعبة ، عن عمرو بن مرة ، عن أبی الضحی ، عن ابن عباس ، لا يذکر هذا ،انما يقول : "يتنزل العلم والأمر بينهن "وعطاء بن السائب اختلط ، وأنکر أبو عبد الله الحديث .

(المنتخب من علل الخلال ۱۲۵ برقم (۵۸) ، دار الراية للنشر والتوزيع)

مجھے خبر دی احمد بن اصرم مزنی نے کہ بے شک ابو عبد اللہ (احمد بن حنبل) سے شریک کی حدیث جس کو وہ عطاء بن سائب سے وہ ابو الضحی سے اور وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اللہ عزوجل کے قول ﴿ومن الأرض مثلهن يتنزل الأمر بينهن﴾ کی تفسیر میں بیان کیا کے بارے میں سوال کیا گیا جس میں کہا ہے کہ ان کے درمیان نبی ہیں تمہارے نبی کی طرح، اور نوح تمہارے نوح کی طرح، اور آدم تمہارے آدم کی طرح''۔

امام ابو عبد اللہ احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: یہ اس کو شعبہ نے، عمرو بن مرہ سے وہ ابو الضحی سے وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے یہ بات ذکر نہیں کی انہوں نے جو کہا ہے وہ "يتنزل العلم والامر بينهن" ہے اور عطاء بن سائب اختلاط کا شکار ہو گئے تھے، اور ابو عبد اللہ احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث (اثر) کا انکار کیا ہے۔

پس معلوم ہوا کہ ساجد خان کے شاذ مردود کے مطابق بھی یہ اثر شاذ مردود ہے چہ جائیکہ اس کو صحیح حدیث کا درجہ دیا جائے، پھر اس کا ظاہر متواتر المعنی صحیح احادیث کے بھی خلاف ہے جن میں نبی اکرم ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کا بیان ہے اور بقول ساجد خان بھی اس کا مفہوم بظاہر ختم نبوت کے خلاف ہے۔ پس یہ اثر اس لحاظ سے بھی شاذ مردود کی قسم سے ہے۔

نانوتوی صاحب کی طرف منسوب ایک قول: ''امام بیہقیؒ بے شک یہی فرماتے ہیں جو آپ نے فرمایا "اسناده صحيح لكنه شاذ بمرة"، لیکن ضمیر لكنه بھی اسناد ہی طرف راجع ہے اگر لكنه شاذ کی ضمیر اثر کی طرف راجع ہوتی اور حسب خواہش جناب

شذوذ بمعنی مخالفت ثقات مراد ہوتا تو فقط شاذ کہنا کافی تھا۔ (تنویر النبر اس ص ۹۱)

اگر چہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت میں " لکنہ شاذ " کی ضمیر کو اسناد ہی کی طرف راجع تسلیم کرلیا جائے تب بھی یہ فائدہ مند نہیں ہوسکتا کیونکہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ تو ثقہ کی مخالفت کی وجہ سے اس اثر کا انکار کررہے ہیں اور اسی "تنویر النبر اس ص ۹۳" پر ہے کہ "صاحب ارشاد الساری اور صاحب سیرت حلبیہ امام بیہقیؒ وغیرہ کے ہم پلہ نہیں ہیں"۔ تو کیا امام حاکم، بیہقی اور ذہبی رحمۃ اللہ علیہم امام اہل سنت اما احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے ہم پلہ ہیں؟۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نانوتوی صاحب اور ان کے ہمنواؤں کے مطلوبہ الفاظ کا انکار فرماتے ہیں اور اس میں ان الفاظ کو عطاء بن سائب کے اختلاط کا سبب ہی قرار دے رہے ہیں راقم نانوتوی صاحب کے متعلق تو یہ نہیں کہتا کہ حقیقت کا علم ہونے کے باوجود ان الفاظ پر تکیہ لگائے رکھا مگر ساجد خان اور اس کے موجودہ ہمنواؤں کو ضرور دعوت فکر دیتا ہے اور وہ بھی اسی "تنویر النبر اس" کے الفاظ سے کہ: "حق واضح ہونے کے بعد اثر ابن عباسؓ کا انکار شیوۂ دین داری سے بعید ہے" (تنویر النبر اس ص ۹۷) اب راقم یہ کہتا ہے کہ نانوتوی صاحب تو ضمیر کے مرجع کی وجہ سے شاذ کو سند کے ساتھ مشروط کرتے رہے بوجہ ابہام مگر امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے واضح ہو گیا کہ ابوالضحی سے روایت کرنے والے دو ہیں جن میں سے ایک ثقہ ہے اور وہ نانوتوی صاحب اور ساجد خان کے مطلوبہ الفاظ ذکر نہیں کرتا جبکہ دوسرا مختلط راوی ہے وہ یہ الفاظ ذکر کررہا ہے پس اس کی مخالفت کے پیش نظر یہ شاذ منکر ومردود ہوگی۔

پس صاحب تنویر النبر اس کا کہنا کہ: ''غرض امام بیہقیؒ یہی ہے کہ اسناد صحیح ہے لیکن ایک راوی سے زیادہ اور ایک روایت سے زیادہ نہیں'' (تنویر النبر ا س ۹۲)

بھی درست نہیں ہے کیونکہ اس اثر کو ابوالضحی سے صرف عطاء بن سائب ہی روایت نہیں کرتا بلکہ عمرو بن مرہ بھی روایت کرتا ہے اور عمرو بن مرۃ عطاء بن سائب سے اوثق ہے اور عطاء بن سائب سے بیان کرنے والا شریک بن عبداللہ بھی بقول فاضل اشرفیہ ضعیف ہے جبکہ عمرو بن مرہ سے روایت کرنے والے امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں لہذا یہاں شاذ تفرد کے معنی میں نہیں بلکہ مخالفت کے معنی میں ہے اور از قسم مقبول نہیں بلکہ مردود ہے۔

لہذا اب حق واضح ہے کہ مطلوبہ الفاظ شاذ از قسم مردود ہیں تو شیوۂ دین داری کی پاسداری تو یہی ہے کہ ان کو رد کرتے ہوئے اس خیال ونظریہ کو ختم کر دیا جائے کہ تمام طبقات زمین میں انبیاء کا ہونا ثابت ہے کیونکہ مذکور اثر ابن عباس رضی اللہ عنہما کے علاوہ کوئی ایسی صریح دلیل موجود نہیں جس سے اس پر استدلال واحتجاج کیا جا سکے اور اثر ابن عباس رضی اللہ عنہ بھی بلحاظ صحت ثابت نہیں ہے۔

صاحب تنویر النبر اس نے لکھا کہ: ''صحت اسناد بظاہر مستلزم صحت متن ہوتی ہیں ورنہ اس سے یہی کیا کم ہے کہ اکثر بظاہر یہی ہوتا ہے پھر جو مخالف ظاہر ہو اس کے ذمہ دلیل ہوتی ہے آپ یہ تصریح کریں کہ مخالفت ثقات کی کس نے تصریح کی ہے (تنویر النبر اس ص۹۴)

پس امام اہل سنت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے اس بات کی تصریح تو ہو چکی کہ اس میں مختلط راوی عطاء بن سائب نے ثقہ راوی عمرو بن مرہ کی مخالفت کی ہے پس اب اس اثر کا از قسم مردود ہونا تو واضح ہے اب تو صرف شیوۂ دینداری کی پاسداری کا مسئلہ ہی رہتا

ہے دیکھتے ہیں کہ اس بارے کیا کچھ ہوتا ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے قول میں تلاش وبسیار سند کا سلسلہ اور اس پر کلام و گفتگو کرنے کی ضرورت نہیں آنی چاہئے کیونکہ امام اسحاق بن ابراہیم بن ہانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۷۵ھ) کے سوال پر امام ابوعبداللہ احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۴۱ھ) نے جو فرمایا وہ بھی ملاحظہ ہو:

قلت : لأبی عبد اللّٰه : حدیث عطاء بن السائب : فیه" محمد کمحمدکم ، و آدم کآدم،وإبراهیم کإبراهیم "قال : لیس حدیثه فی هذا بشئ ، اختلط عطاء بن السائب ، لیس فیها شئ من آدم کآدم ، ولا نبی کنبیکم .

(مسائل الامام أحمد بن حنبل روایة اسحاق بن ابراهیم بن هانی ،جلد۲ ص ١٦٠ برقم (١٨٩١)،المکتب الاسلامی) ۔

یعنی میں نے امام ابوعبداللہ احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث عطاء بن سائب کے بارے میں عرض کی جس میں ہے کہ: ''محمد تمہارے محمد کی طرح، آدم، آدم کی طرح، اور ابراہیم، ابراہیم کی طرح'' آپ نے فرمایا: اس کی حدیث میں ایسی کوئی چیز نہیں ہے عطاء بن سائب اختلاط کا شکار ہو گئے، اس میں آدم، آدم کی طرح کی کوئی چیز نہیں ہے اور نہ ہی نبی تمہارے نبی ﷺ کی طرح کا کچھ۔

پس معلوم ہوا کہ یہ زیادت عطاء بن سائب کے اختلاط کے سبب بیان کی گئی ہے جس کو بعد از اختلاط سننے والے شریک بن عبداللہ (بقول فاضل اشرفیہ جو ضعیف ہیں) نے

روایت کیا ہے، لہذا ساجد خان کے بقول شاذ کی جو قسم مردود ہے اس اثر میں یہ زیادت بعد از اختلاط کا کارنامہ ہونے کے سبب مردود ہی قرار پائے گی۔

امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت بھی ملاحظہ فرمائیں:

سألت أبا عبد الله عن : حديث أبى الضحى عن ابن عباس ؟ قال أبو عبد الله : أما ما روى أبو داود [الطيالسى]: قرأت على أبى عبد الله : أبو داود قال : حدثنا شعبة عن عمرو بن مرة سمع أبا الضحى يحدث عن ابن عباس قال : قوله :﴿سبع سموات ومن الأرض مثلهن﴾قال : فى كل أرض خلق مثل إبراهيم .

(مسائل الامام أحمد بن حنبل رواية اسحاق بن ابراهيم بن هانى النيسابورى ،المتوفى ٢٧٥،جلد٢ ص١٥٨-١٥٩ برقم (١٨٨٥)،المكتب الاسلامى)

(امام اسحاق بن ہانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ) میں نے ابوعبداللہ احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے ابوالضحی عن ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے بارے سوال کیا، ابوعبد اللہ نے کہا کہ جو روایت کی ابو داود طیالسی رحمۃ اللہ علیہ نے ، میں نے ابوعبداللہ کے سامنے پڑھا کہ ابو داود نے کہا ہم سے بیان کیا شعبہ نے وہ عمرو بن مرہ سے اس نے ابو الضحی سے سنا وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں فرمایا: اللہ کا فرمان ﴿سبع سموات ومن الأرض مثلهن﴾ (کی تفسیر میں) کہا کہ: ”ہر زمین میں مخلوق ہے ابراہیم کی مثل۔

اور تشبیہ و تمثیل من کل الوجوہ نہیں ہوتی جیسا کہ اللہ تعالی کا فرمان عالی شان ہے کہ:

﴿وما من دابة فى الأرض ولا طائر يطير بجناحيه إلا أمم أمثالكم ما

فرطنا في الكتب من شيء ثم إلى ربهم يحشرون﴾

(الأنعام:۳۸)

اور نہیں کوئی زمین میں چلنے والا اور نہ کوئی پرند کہ اپنے پروں پر اُڑتا ہے مگر تم جیسی اُمتیں، ہم نے اس کتاب میں کچھ اُٹھا نہ رکھا، پھر اپنے رب کی طرف اُٹھائے جائیں گے۔

پس مثل ومثال سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ جس کی مثال بیان کی جارہی ہے وہ اور جس کے ساتھ بیان کی جارہی ہے وہ دونوں ہر لحاظ سے ایک جیسے ہوں بلکہ کسی ایک وجہ کی برابری سے بھی مثال بیان کی جاسکتی ہے جیسا کہ یہاں بیان کیا گیا ہے کہ جیسے ابراہیم علیہ السلام اللہ عزوجل کی مخلوق میں سے ہیں اسی طرح ہر زمین میں مخلوقات ہیں نہ کہ ابراہیم علیہ السلام کی مثل نبی وخلیل۔

یادر ہے ساجد خان نے جو''مستدرک'' کے حوالہ سے دوسرا اثر ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:''ایک اور سند کے ساتھ یہ روایت مختصرا بھی وارد ہے

حدثنا عبد الرحمن بن الحسن القاضي ثنا إبراهيم بن الحسين ثنا آدم بن أبي أياس ثنا شعبة عن عمرو بن مرة عن أبي الضحى عن ابن عباس في قوله عزوجل سبع سموات ومن الأرض مثلهن قال في كل أرض نحو إبراهيم .هذا حديث صحيح على شرط الشيخين ولم يخرجاه قال في التلخيص على شرط البخاري ومسلم (صفحه ۱۸)

اس اثر کی بھی امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ تصحیح کررہے ہیں اور حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ تلخیص

میں ان کی موافقت فرمارہے ہیں مگر اس کی سند میں امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کا شیخ ''عبد الرحمن بن حسن بن احمد الاسدی الھمذانی القاضی '' یہ متہم بالکذب ہے۔

☆ ساجد خان لکھتا ہے کہ: ''خلاصہ بحث یہ کہ شاذ علی الاطلاق صحت کے منافی نہیں بلکہ صرف وہ شاذ مردود ہے جس میں ثقہ اوثق کی مخالفت کرے اور اثر ابن عباسؓ شاذ مردود میں سے نہیں بلکہ شاذ مقبول میں سے ہے کیونکہ ابی الضحی خود ثقہ ہے اور اپنے سے اوثق کسی راوی کی مخالفت نہیں کررہا مگر چونکہ اس کا متابع نہیں لہذا اس تفرد کی وجہ سے اس کو شاذ کہہ دیا گیا۔ (صفحہ ۲۴)

☆☆ اثر ابن عباس رضی اللہ عنہما جس کو شریک بن عبد اللہ عطاء بن سائب سے زیادت کے ساتھ بیان کررہے ہیں وہ شاذ مردود ہے کیونکہ ابو الضحی سے اس اثر کو روایت کرنے والے عطاء بن سائب اور عمرو بن مرہ دو راوی ہیں جن میں سے زیادت کو بیان کرنے والے صرف عطاء بن سائب ہیں اور وہ آخر عمر میں اختلاط کا شکار ہو گئے تھے اور شریک بن عبد اللہ نے ان سے بعد از اختلاط سنا ہے پھر ''عطاء بن سائب'' کے لئے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے تقریب میں ''صدوق یخطئ ...'' ذکر کیا ہے، جبکہ ''عمرو بن مرہ'' کے لئے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے تقریب میں ''ثقة عابد ...'' کا جملہ ذکر کیا ہے، جبکہ فتح الباری کے مقدمہ میں ''عطاء بن سائب'' کے لئے ''من مشاهير الرواة الثقات إلا أنه اختلط فضعفوه بسبب ذلك وتحصل لي من مجموع كلام الأئمة أن رواية شعبة وسفيان الثورى وزهير بن معاوية وزائدة وأيوب وحماد بن زيد عنه قبل الاختلاط وأن جميع من روى عنه غير هؤلاء فحديثه ضعيف لأنه بعد اختلاطه إلا

حماد بن سلمة فاختلف قولهم فيه ....". (ص ۴۲۵) کے الفاظ لکھے ہیں اور اسی میں "عمرو بن مرہ" کے لئے "أحد الأثبات من صغار التابعين متفق على توثيقه إلا أن بعضهم تكلم فيه لأنه كان يرى الارجاء وقال شعبة كان لا يدلس وقد احتج به الجماعة" (ص ۴۳۲) کے الفاظ ذکر کئے ہیں۔

پس ثابت ہوا کہ عمرو بن مرہ اوثق ہیں عطاء بن سائب سے، لہذا عطاء بن سائب کا عمرو بن مرہ کی مخالفت کرنا ہی اس کے شاذ از قسم مردود ہونے کے لئے کافی تھا مگر یہاں تو عطاء بن سائب کا اختلاط بھی موجود ہے اور ان سے روایت کرنے والے شریک بن عبداللہ کا قبل از اختلاط روایت کرنا بھی ثابت نہیں ہے پس اس اثر کو شاذ مقبول کہنا اصول حدیث وفن اسماء الرجال میں کم علمی وناواقفیت کی دلیل ہے۔

پھر شریک بن عبداللہ اور امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہما کا بھی مسئلہ موجود ہے کیونکہ امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ ثقہ حافظ متقن ہیں جبکہ شریک بن عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ صدوق اور بہت زیادہ خطائیں کرنے والے ہیں۔

☆ ساجد خان لکھتا ہے کہ: "پھر جن علماء نے اس روایت کی تصحیح کی ہے کیا اہل بدعت ان سے زیادہ علم اصول کے سمجھنے والے ہیں کہ وہ اس پر صحیح کا حکم لگا رہے ہیں اور اہل بدعت اسے شاذ کہہ کر رد کر رہے ہیں (صفحہ ۲۴۔۲۵)

☆☆ قارئین کرام! "چور مچائے شور" کا انداز خوب رٹا دیا گیا ہے دیوبندیت کو۔

ساجد خان کے ایک بزرگ منیر احمد منور دیوبندی استاذ الحدیث جامعہ باب العلوم کہروڑ پکا نے لکھا ہے کہ:

''یعنی جو حدیث معمول بہ ہے، وہ صحیح ہے جو حدیث متروک وغیر معمول بہ ہے وہ ضعیف ہے''۔(بارہ مسائل صفحہ ۱۳۔۱۴، ناشر اتحاد اہل سنت والجماعت)

پس یہ اثر بارہ سو سال میں کس نے قبول کرتے ہوئے اس سے طبقات سبعہ میں انبیاء کا ہونا بیان کیا؟

ساجد خان کے اس بزرگ کے بقول بھی اس کی سند جتنی بھی صحیح ہوتی یہ قابل قبول نہیں تھا کیونکہ بارہ سو سال تک تو یہ اثر اس معنی میں قبول کرنے والا راقم الحروف کے علم میں تو کوئی نہیں بعد میں نذیر حسین دہلوی، امیر حسن اور نانوتوی صاحب نے اس اثر کی بنیاد پر بقول انور شاہ کشمیری اپنے آپ کو بھی بے فائدہ تحقیق میں مصروف کر کے نہ صرف اپنا وقت ضائع کیا بلکہ ایک ایسی بدعت کا دروازہ کھولا جس نے امت مسلمہ بالخصوص مسلمانان برصغیر پاک وہند میں افتراق وانتشار پیدا کر دیا۔

ساجد خان کے ایک اور بزرگ مناظرِ اسلام وکیلِ احناف منظور احمد مینگل استاد الحدیث جامعہ فاروقیہ کراچی کے افادات میں عدم استدلال عدم صحت پر دال ہے کے تحت لکھا ہے: امعان النظر میں قاعدہ ذکر کیا ہے کہ ''کوئی حدیث صحیح ہو باوجود صحیح ہونے کے اس سے کسی نے استدلال نہ کیا ہو تو یہ اس حدیث کے صحیح نہ ہونے کی دلیل ہے۔''

(تحفة المناظر صفحه ۷۸، ناشر مکتبة السعید کراچی)

اُمید ہے ساجد خان کو اپنے بڑوں کی بات سمجھ آ گئی ہوگی۔

(1) اس اثر کو شاذ اور ضعیف کہنے والے تو محدثین وعلماء کرام ہیں جن میں سرفہرست امام اہل سنت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اس کو عطاء بن سائب کے اختلاط کا سبب کہہ رہے ہیں اور اس کا انکار فرما رہے ہیں اور خاص طور پر اس زیادت کو رد کر

رہے جو اس اثر میں نانوتوی صاحب اور ساجد خان کی مطلوبہ ہے

(2) امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے لفظ ''شاذ'' استعمال کرتے ہوئے اس کے شاذ ہونے کو بیان کیا ہے۔

(3) حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرما رہے ہیں کہ اصلاً ہمارا اس پر کوئی اعتقاد نہیں ہے یہ صرف سننے اور سن پر چپ رہنے کے قابل ہے چہ جائیکہ اس کو لے کر ایک نئی اختراع پیش کر دی جائے۔

(4) حافظ احمد بن اسماعیل کورانی حنفی رحمۃ اللہ علیہ اس کو اجماع مسلمین اور قرآنی آیات کے خلاف قرار دے رہے ہیں۔

(5) حافظ ابن کثیر اس اثر کو اسرائیلی روایات سے اخذ کیا گیا کہتے ہیں۔

(6) علامہ سخاوی بھی اس کی صحت کے قائل نہیں لگتے۔

(7) علامہ سیوطی و ہیتمی اس کے بارے میں فرما رہے ہیں کہ جب اس کا ضعف ظاہر ہو گیا۔

(8) ملا علی قاری حنفی اس کو موضوعات میں ذکر کر رہے ہیں۔

(9) انور شاہ کشمیری دیوبندی اس کو شاذ قرار دیتے ہیں۔

(10) دار العلوم دیوبند کے فارغ التحصیل مفتی رشید احمد لدھیانوی نے بھی اس کا شاذ اور اسرائیلیات سے ہونا نقل کیا ہے۔

(11) شیخ محمد عمرو حاجی اس کو ضعیف کہتے ہیں۔

(12) شیخ حمود بن عبد اللہ تویجری سخت منکر اور اس بارے میں کچھ ثابت نہیں سمجھتے۔

(13) شیخ عبدالرحمٰن بن یحیٰی معلّمی کہتے ہیں اس کی سند صحیح نہیں ہے۔

(14) محمد رفیق الحسینی نے اس کی تضعیف کی ہے۔

(15) اُس وقت کے علماء رامپور جن میں علامہ ارشاد حسین رامپوری (صاحب انتصار الحق فی الرد علی معیار الحق) نے لکھا کہ: ''یہ عقیدہ زید کا کہ حدیث مذکور صحیح ہے اور معتبر اور ہر ہر طبقہ زمین میں اس حدیث سے ایک ایک خاتم کا ہونا ثابت ہے سراسر غلط اور مخالف ہی عقیدہ اہل سنت والجماعت کے اور مخالف ہی نص قطعی ﴿ولکن رسول اللّٰہ وخاتم النبیین﴾ کے، بطلان صحت حدیث کا اس واسطے کہ حدیث مذکور مخالف ہے نص قطعی مسطور کے باآنکہ تصحیح متن اوسکی کسی نے ائمہ حدیث میں سے نہیں کی پس ایسی حدیث موقوف غیر مصحح المتن مخالف نص قطعی غیر مأول وغیر مخصوص بالاجماع اور مخالف احادیث صحاح مرویہ بخاری ومسلم وغیرہم کیونکر صحیح ومعتبر ہوگی بالفرض اگر حدیث مذکور مصحح المتن ہوتی جب بھی بمقابلہ نص قطعی واحادیث مرویہ شیخین کالعدم ہوتی چہ جائیکہ غیر مصحح المتن ہو۔۔ (تنبیہ الجہال بالہام الباسط المتعال صفحہ ۲۶)

(24.16) اور اس پر تصحیحات وتصدیقات الشیخ یوسف الرامپوری۔ سید حسن شاہ بن سید شاہ الحسینی جو کہ سید احمد شہید کے اصحاب میں سے ہیں۔ عبدالحق الخیر آبادی اوالکانپوری ثم الرامپوری، اور عبدالکریم الہز اروی ثم الرامپوری وغیرہم 9 علماء کی ہیں۔

اور اسی تنبیہ الجہال کے صفحہ ۳۱ پر ہے کہ اس کے علاوہ عامۂ فضلائے امصار واقطار مثل علمائے سورت اور بمبئی اور پیشاور اور گلشن جادرہ اور کانپور اور دہلی اور پانی پت اور مندراس اور اکبر آباد اور ٹونگ اور بنگلور اور میرٹھ اور سنبھل اور بھوپال اور مراد آباد اور بدایون اور رامپور و بریلی جن میں اکثر مشاہیر فضلا اور بہت معتقدین تقویۃ الایمان سے

ہیں ابطال امثال وخواتم میں فتوی تحریر فرمائے اور دستخط ومواہیر ثبت کئے۔

ان علماء وفضلاء کے فتاوی و دستخط دیکھنے کے لئے ملاحظہ فرمائیں: ''ابطال اغلاط قاسمیہ صفحہ ۳۸۔۳۹۔۴۰۔

فتاوی بے نظیر در مطبع اسدی طبع شد صفحہ ۸تا۲۲،و۲۷و۳۷،و۴۳ ،و۴۴، و۵۸۔۵۹،و۶۲۔۶۳،و۶۴۔۷۵،و۸۸،و۹۱،و۱۰۴۔

اور قسطاس فی موازنۃ اثر ابن عباس،اعلی پریس میرٹھ ص۲۶۷۔۲۷۰۔۲۷۱۔۲۷۲۔۲۷۴۔جن میں سے چند کا ذکر آگے آئے گا۔ان شاء اللہ العزیز۔

(25) علامہ عبدالغفار بن عالم علی بن غلام مخدوم الصدیقی اللکھنوی ثم الکانپوری المتوفی ۱۳۱۲ھ عطاء بن سائب پر کلام کرتے ہوئے۔امام نووی رحمۃ اللہ علیہ سے اس کا اختلاط ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ''پس اثر مذکور ضعیف ہے''۔(فتاوی بے نظیر ص ۵)

(28.26) اس پر علامہ محمد عادل بن محی الدین الناروی ثم الکانپوری المتوفی ۱۳۲۵ھ ،القاضی زین العابدین بن محسن بن محمد الأنصاری الخزرجی السعدی الیمانی قاضی بھوپال المتوفی ۱۲۹۷ھ،اور مفتی بھوپال سید محمد عبداللہ ابوالمظفر کی تصحیحات وتصدیقات ہیں۔

(29-30) علامہ عبدالحکیم فرماتے ہیں: ''حدیث ان اللہ خلق سبع ارضین الخ از روی تحقیق موقوف برابن عباس رضی اللہ عنہ شاذ المتن ومعلول الاسناد ست''۔اور اس پر تصحیح وتصدیق نائب مفتی بھوپال علامہ احمد گل بھوپالی کی ہے (فتاوی بے نظیر ص ۹۔۱۰)

(31) قاضی عبدالحق بن محمد اعظم الکابلی المتوفی ۱۳۲۱ھ فرماتے ہیں: ''لکن قول معتمد

منقول از معتبرات محدثین ہمیں ست کہ صحیح الاسناد شاذ المتن''۔

(39.32) اس پر تصحیحات وتصدیقات سید محمد بن احمد اللہ حسینی لاجپوری سورتی المتوفی ۱۳۱۳ھ، ابوالفضائل غلام رسول بن مفتی فضل اللہ مفتی علاقہ بھوپال، ذوالفقار احمد بن ہمت علی بن شاہ ولی نقوی سارنگپوری ثم البھوپالی صاحب ''طی الفراسخ فی منازل البرازخ'' المتوفی ۱۳۴۰ھ، محمد جان بھوپالوی، عبدالحیی، محمد امیر بن عبداللہ فتح پوری المتوفی ۱۳۰۸ھ، مفتی لطف اللہ بن مفتی سعداللہ مرادآبادی رامپوری المتوفی ۱۳۳۱ھ، مفتی سعد اللہ بن نظام الدین مراد آبادی صاحب ''القول المانوس فی صفات القاموس'' المتوفی ۱۲۹۴ھ کی ہیں۔

(40) ایک جماعت علماء کے اقوال فتاوی بے نظیر، قسطاس فی موازنۃ اثر ابن عباس، تنبیہ الجہال وغیرہم میں موجود ہیں مگر راقم الحروف آخر پر قاسم نانوتوی صاحب کے استاد بھائی، شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے نواسہ محمد اسحاق بن محمد افضل العمری الدہلوی کے شاگرد خاص قاری ومولوی عبدالرحمٰن بن محمد پانی پتی کے فتوی میں سے چند لفظ نقل کرتا ہے: ''وایں اثر ابن عباس باوجود شذوذ ومتروکیۃ در قرون ثلثہ ومخالف خود بنص قرآنی واجماع امۃ۔

(فتاوی بے نظیر ص ۹۰)

راقم اربعین کے عدد پر اکتفاء کرتا ہے ورنہ تفصیل کے لئے مندرجہ ذیل کتب ورسائل میں ان کے علاوہ ایک جماعت کے اقوال موجود ہیں جن کو طوالت کے خوف سے ترک کیا جاتا ہے۔

مگر ساجد خان جیسے دیدہ کور کو کچھ نظر نہیں آرہا کیونکہ تعصب کی عینک جب تک چڑھی ہو

انصاف وعدل میں سے کیا نظر آئے گا؟۔

ساجد خان نے اس کے بعد شاذ مقبول ومردود کے متعلق چند علماء وائمہ سے کچھ عبارات ذکر کی ہیں مگر وہ ہمارے لئے مضر نہیں ہیں۔

☆ساجد خان صفحہ ۲۷ پر: ''سند کے صحیح ہونے سے متن کا صحیح ہونا لازم نہیں'' کا جواب دیتے ہوئے لکھتا ہے کہ: ''پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ اعتراض تو ہر حدیث پر ہو سکتا ہے چنانچہ جس نے کسی حدیث کا انکار کرنا ہو کہہ دے کہ سند تو ٹھیک ہے مگر سند درست ہونے سے متن درست ہونا لازم نہیں آتا۔ پھر یہ اعتراض بھی قلت فہم کی وجہ سے ہے اس لئے کہ محدثین میں سے جب کوئی کسی روایت کو نقل کرے اور اس کے متعلق ''صحیح الاسناد'' کہے تو یہ اس کے متناً وسنداً صحیح ہونے کی دلیل ہے''۔

☆☆پاگلوں کے سر پر کیا سینگ ہوتے ہیں؟ وہ ایسی باتوں سے ہی پہچانے جاتے ہیں جن کی معرفت رکھنے والوں کو ائمہ ومحدثین اصحاب فہم وفراست کہیں ان کو قلت فہم کا طعن صرف ساجد خان جیسے ہی دیں گے ویسے بھی عمومی طور پر دیکھا گیا ہے کہ پاگل اپنے آپ کو پاگل نہیں سمجھتا بلکہ دوسروں کو ہی پاگل خیال کرتا ہے ساجد خان کی اپنی علمی لیاقت وصلاحیت کا عالم یہ ہے کہ ایک صدوق مگر کثیر الخطاء جبکہ دوسرا ثقہ حافظ متقن ہے ان میں اوثق کی پہچان نصیب نہیں اور اعتراض جمانے بیٹھا ہے ان پر جو ادق واشرف علم کی پہچان رکھنے والے ہیں

حافظ ابن الصلاح رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: ''اعلم ان معرفة علل الحديث من اجل علوم الحديث وادقها واشرفها وانما يطلع بذلك أهل الحفظ

والخبرة والفهم الثاقب ."۔(مقدمة ابن الصلاح ،ص ٤٢ المطبعة القيمة ، بمبئ)
یعنی واضح رہے کہ علل الحدیث کی پہچان علوم الحدیث میں ادق اور اشرف علم ہے اور اس کی معرفت صرف ان لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو اصحاب حفظ وبصیرت اور جن کا فہم تیز ہو۔

ساجد خان کے ایک بزرگ منیر احمد منور دیوبندی استاذ الحدیث جامعہ باب العلوم کہروڑ پکا نے لکھا ہے کہ:

"حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث سنداً بالکل صحیح بلکہ اصح الاسانید ہے ،لیکن ترک رفع یدین کی احادیث صحیحہ اس کے معارض ہیں اس معارضہ والی علت کی بناء پر احادیث رفع یدین معلول ضعیف ہیں"۔

(بارہ مسائل ،صفحہ ١٤ ، ناشر اتحاد اہل سنت والجماعت)

پھر یہی دیوبندی استاذ الحدیث لکھتا ہے کہ:"خود محدثین کو اعتراف ہے کہ جس حدیث کو محدثین نے صحیح قرار دیا ہے ضروری نہیں کہ وہ نفس الامر میں بھی صحیح ہو اور جس حدیث کو انہوں نے غیر صحیح قرار دیا ہے ضروری نہیں کہ وہ نفس الامر میں اسی طرح ہو کیونکہ بعض دفعہ وہ حدیث نفس الامر میں صحیح اور سچی ہوتی ہے۔ چنانچہ علامہ ابن الصلاح لکھتے ہیں

"ومتى قالوا هذا حديث صحيح فمعناه انه اتصل سنده مع سائر الاوصاف المذكورة وليس من شرطه ان يكون مقطوعا به فى نفس الامر إذ منه ما ينفرد برايته عدل واحد وليس من الأخبار التى اجمعت الأمة على تلقيها بالقبول "۔(مقدمۃ ابن الصلاح ص ۸)

اور جب محدثین یہ کہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے تو اس کا معنی یہ ہے کہ مذکورہ تمام اوصاف

کے ساتھ اس کی سند متصل ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ نفس الامر میں بھی اس کا صحیح ہونا یقینی ہے اس لیے کہ بعض صحیح حدیثیں ایسی ہوتی ہیں کہ اس کی روایت میں ایک عادل آدمی منفرد ہوتا ہے اور وہ ان احادیث میں سے نہیں ہوتی جس کی تلقی بالقبول پر امت کا اجماع ہو۔ (بارہ مسائل ،ص ۱۷ ،ناشر اتحاد اھل سنت و الجماعت)

ساجد خان کے ایک اور بزرگ جس کو وہ مناظرِ اسلام وکیلِ احناف خیال کرتے ہیں وہ منظور احمد مینگل استاد الحدیث جامعہ فاروقیہ کراچی نے مناظرہ سکھانے کے لیے جو درس دیئے ہیں اس کے مجموعہ میں لکھا ہے کہ:

''بعض صورتوں میں سند اور متن دونوں درست ہیں لیکن پھر بھی وہ بات محلِ اشکال ہے لہذا صرف سند کو مدار بنانا درست نہیں، محدثین عظام کے کئی واقعات ہیں جن میں انہوں نے اپنے خداداد علم و ملکہ کی بنا پر حدیث کو رد کیا حالانکہ سند اور متن دونوں درست تھے، بلکہ مدار تـصـل **ما ثبت بنقل عدل تام الضبط متصل السند غير معلل ولا شاذ** پر ہے۔ بادی النظر میں کوئی سند صحیح ہو تو اس پر مدار نہیں''۔

(تحفة المناظر صفحه ۸۷)

اس کے بعد مینگل نے کچھ روایات بیان کی ہیں جن کی اسناد صحیح ہونے کے باوجود انہیں رد کر دیا گیا ہے۔

ساجد خان کے دادا امین صفدر اوکاڑوی کے علوم کی روشنی میں لکھی گئی کتاب میں ہے: ''یہ کیسے ممکن نہیں ہے کہ صحیح سند کو ایسے قرینہ کی وجہ سے جو اس کے فی نفس الامر ضعیف ہونے پر دلالت کرتا ہے اس کو ضعیف قرار دیا جائے''۔

(انوارات صفدر جلد ۱ صفحه ۲۳۶)

اب تو ساجد خان کو سمجھ آ گئی ہو گی کہ میں نے اپنے بزرگوں کے سبق کو یاد نہ کر کے اور تحریفات کر کے بھی اپنے مقصد کو حاصل نہیں کیا بلکہ اُلٹا اپنے بزرگوں کی مخالفت میں نئے قانون وضع کر دیے ہیں یہ اثر بجائے اس کے کہ اس کو تلقی بالقبول حاصل ہوتا بقول امام کورانی رحمۃ اللہ علیہ قرآنی آیات اور اجماع مسلمین کے خلاف ہے، لہذا ساجد خان کا اور اس کے ہمنواؤں کا اس اثر کی صحت کو ثابت کرنا اور اس سے ایک اجماعی مسئلہ میں رخنہ اندازی کرنے کی کوشش کرنا ایک بہت ہی نازیبا حرکت ہونے کے ساتھ ساتھ اپنوں کے ہی بیان کردہ اصول وقواعد کی مخالفت ہے۔

ساجد خان کے ایک بزرگوار شیخ الحدیث سرفراز خان صفدر دیو بندی نے لکھا ہے کہ:

''بہر حال اگر نافع بن محمودؒ کو بعض محدثینؒ نے ثقہ بھی کہا ہو تب بھی اس کی حدیث معلل ہو سکتی ہے چنانچہ امام حاکمؒ سیوطیؒ اور علامہ جزائریؒ اس کی تصریح کرتے ہیں کہ بسا اوقات ثقہ راوی کی حدیث بھی معلل ہو سکتی ہے (معرفت علوم الحدیث ص ۵۹ تدریب الراوی ص ۴۸، توجیہ النظر ص ۱۳۷) اور نواب صدیق حسن خان صاحبؒ لکھتے ہیں کہ صحت سند صحت متن کو مستلزم نہیں ہے اور یہ محدثینؒ کے نزدیک معروف ومشہور ہے۔ (دلیل الطالب ص ۶۱۸) مبارکپوری صاحبؒ لکھتے ہیں صحت اسناد صحت متن کو مستلزم نہیں ہے (ابکار المنن ص ۲۰۲ وتحفۃ الاحوذی جلد ا ص ۲۲۰) اور حافظ عبد اللہ صاحب روپڑیؒ لکھتے ہیں کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ اسناد کے حسن ہونے سے حدیث اس وقت حسن ہو سکتی ہے جب حدیث میں کوئی اور عیب نہ ہو اور یہاں عیب موجود ہے چنانچہ صاحب ابن حجرؒ نے اس کو معلول کہا ہے (ضمیمہ تنظیم اہلحدیث روپڑ ص ۱۶) اور مؤلف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ پس اگر ایک متن شاذ ہو یا اس میں کوئی علت ہو یا ارسال وانقطاع

کی صورت ہو تو یہ احادیث اگرچہ اول درجہ کے ثقہ راویوں سے ہوں پھر بھی ضعیف ہونگی (ص ۱۸۴)

(احسن الکلام فی ترک القراءۃ خلف الامام جلد ۲ صفحہ ۱۰۷ وفی نسخۃ : ۵۳۱، مکتبہ صفدریہ نزد مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرنوالہ)

کیا ساجد خان اپنے ان بزرگوں کو قلیل الفہم سمجھتا ہے؟

☆ ساجد خان لکھتا ہے کہ: "اور ائمہ نے اس اثر ابن عباس کو روایت کرتے ہوئے اس پر صحیح کا حکم لگایا اور کوئی علۃ قادحہ بیان نہیں کی امام بیہقیؒ نے اگرچہ شاذ کہا مگر وہ اثر کی صحت کے لئے قادح نہیں"۔ (صفحہ ۲۷)

☆☆ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کی بیان کردہ علت تو ساجد خان کی نظر میں ہے مگر اس کے فہم کے مطابق وہ علت صحت کے لئے قادح نہیں ہے مگر اس کے بزرگ کے بقول امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ اس اثر کے راوی شریک کے متعلق لکھ رہے ہیں کہ "اکثر محدثینؒ اس سے احتجاج نہیں کرتے" اور علامہ جزائری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ "ان کی حدیث مردود اور غیر مقبول ہے"، پس جس راوی کی روایت کو ان کے بزرگ نے بقول علامہ جزائری مردود و غیر مقبول لکھا ہے اس راوی کے ایسے اثر جس کو بیان کرنے والے امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ بھی شاذ کہتے ہیں ساجد خان کو اس اثر پر کی گئی امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کی جرح شاذ بھی صحت کے لئے مضر نظر نہیں آرہی مگر صد حیف ہے! اس کی اس جرات رندانہ پر کہ جس نے اس کو انتہائی تعصب و عناد میں مگن اور اس کی آنکھوں کو بند کر دیا، لہذا:

آنکھیں ہیں اگر بند تو پھر دن بھی رات ہے ۔۔۔ اس میں قصور کیا ہے بھلا آفتاب کا

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ بقول ساجد خان کے بزرگوار بھی متساہل ہیں اور حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے گو وہاں تصحیح حاکم رحمۃ اللہ علیہ سے موافقت کی ہے مگر دوسری جگہ اس کے بارے میں یہ بھی فرمایا دیا ہے کہ اصلاً ہمارا اس اثر پر کوئی اعتقاد نہیں ہے اور امام حاکم ،بیہقی اور ذہبی رحمۃ اللہ علیہم ساجد خان کے بزرگ شیخ الحدیث کے بقول متاخرین میں سے ہیں جبکہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ متقدمین میں شمار ہوتے ہیں جیسا کہ سرفراز خان نے لکھا ہے کہ:

''حضرات محدثین کرامؒ کے نزدیک متقدمین اور متاخرین کے درمیان حد فاصل ۳۰۰ھ ہے۔لسان المیزان ج ا ص ۸، وج ۵ ص ۳۹۲) اور حضرات فقہاء عظامؒ کے نزدیک امام شمس الائمۃ الحلوائیؒ المتوفی ۴۵۶ھ ہیں''۔

(ارشاد الشیعہ ص ۱۹ ،ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم ، گوجرانوالہ ،طبع اول ۱۹۸۸ء)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ جو کہ متقدمین میں سے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ: ''اس کی حدیث (اثر) میں ایسی کوئی چیز نہیں ہے عطا بن سائب اختلاط کا شکار ہو گئے ،اس میں آدم ،آدم کی طرح کی کوئی چیز نہیں ہے اور نہ ہی نبی تمہارے نبی ﷺ کی طرح کا کچھ''۔

جبکہ ساجد خان کے بزرگوار منیر احمد منور نے لکھا ہے کہ:

''اسی طرح ماہرین حدیث کی بھی دو قسمیں ہیں: محدثین اور مجتہدین۔محدثین کی مہارت اور ان کی تحقیق کا دائرہ حدیث کی اسناد اور الفاظ تک محدود ہے یعنی وہ رواۃ حدیث کے تاریخی حالات کی روشنی میں اپنے اجتہاد سے سند کا درجہ متعین کرتے ہیں کہ یہ سند موضوع ہے یا غیر موضوع؟ صحیح ہے یا غیر صحیح؟ پھر غیر صحیح ہو کر حسن ہے یا ضعیف؟

صحت کس درجہ کی ہے اور ضعف کس درجہ کا۔ اسی طرح بعض دفعہ محدث مختلف سندوں کے ساتھ روایت کردہ حدیث میں الفاظ حدیث کے اختلاف وفرق کو بھی بیان کرتا ہے کہ فلاں راوی کی حدیث میں یہ لفظ ہے اور فلاں راوی کی حدیث میں یہ لفظ ہے۔ جبکہ مجتہدین کی تحقیق کا دائرہ وسیع تر ہے وہ پانچ امور میں تحقیق کرتے ہیں:

(۶): ثبوت وعدم ثبوت (یعنی بنیادی طور پر یہ حدیث ثابت ہے یا نہیں؟)

(۷): احادیث کے معنی کی تشریح وتوضیح۔

(۸) حدیث معمول بہ ہے یا غیر معمول بہ؟ درجہ عمل میں متروک ہے یا غیر متروک؟۔۔

(بارہ مسائل ص ۱٤ ،ناشر اتحاد اھل سنت و الجماعت)

ساجد خان نے اگر مفتی شفیع اور سرفراز گکھڑوی کی تصدیق شدہ کتاب ''امام اعظم اور علم الحدیث'' ہی پڑھی ہوتی تو اسے پتہ چل جاتا کہ خبرِ واحد اگرچہ صحیح سند سے ثابت ہو پھر بھی اس کی قبولیت کے لیے کچھ شرائط مقرر کی گئی ہیں جیسے

1 روایت دین کے مسلمہ اصولوں کے خلاف نہ ہو۔ (اثر ابن عباس مسلمہ اصولوں کے کتنا مطابق ہے یہ آپ ملاحظہ فرما چکے مزید آخر میں رشید ثانی دیوبندی کے فتوے اور محمد اسلم قاسمی فاضل دیوبند سے بھی واضح ہو جائے گا)

2 معانی قرآن سے متصادم نہ ہو۔

3 سنّتِ مشہورہ کے خلاف نہ ہو۔

4 صحابہ وتابعین کے عملِ متوارث کے خلاف نہ ہو۔۔۔

(امام اعظم اور علم الحدیث ص ٦٦٥ ،مکتبة الحسن ،اردو بازا ،لاھور)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ متقدمین میں سے ہیں وہ اس اثر میں موجود نانوتوی صاحب اور ساجد خان کے مستدل الفاظ کا انکار کر رہے ہیں کہ اس اثر میں یہ الفاظ ہیں ہی نہیں بلکہ عطاء بن سائب کے اختلاط کا کرشمہ ہیں اور یہ الفاظ ثابت ہی نہیں امام احمد بن حنبل صرف محدث نہیں بلکہ فقیہ و مجتہد بھی ہیں۔

جن کے متعلق امام ابوعبید قاسم بن سلام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: "انتهى العلم إلى أربعة ؛أحمد بن حنبل ، وعلى بن المدينى ،ويحيى بن معين ،وأبى بكر بن أبى شيبة ، و كان أحمد بن حنبل أفقههم فيه .

(مناقب الامام أحمد بن حنبل لابن الجوزى ص ۱۵۰ ،هجر للطباعة و النشر والتوزيع)

علل الحدیث کی معرفت میں آپ کا مقام بھی کسی اہل علم سے مخفی نہیں ہوگا۔

☆ ساجد خان حافظ ابن کثیر کے قول کہ یہ اسرائیلیات سے لی گئی ہے کا جواب دیتے ہوئے لکھتا ہے کہ: "اللہ پاک ان پر اپنی رحمت کرے ان کا یہ قول بلا دلیل ہے۔ اصول یہ ہے کہ جب صحابی کا قول قیاس کے موافق نہ ہو تو وہ نبی اکرم ﷺ کی حدیث پر محمول کیا جائے گا"۔ (صفحہ ۲۸)

حالانکہ اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نہ ہونے کی علما نے تصریح فرمائی ہے اس کے باوجود ساجد خان کی ڈھٹائی تو سب پر سبقت لے گئی چنانچہ احمد بن عبد الکریم العامری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۱۴۳ھ) نے اس کو "الجد الحثيث فى بيان ماليس بحديث برقم (٢٤)، دار الراية الرياض " میں ذکر کیا اور کہا کہ :"هو من كلام ابن عباس ".

ساجد خان کیا اس اُصول کا دیوبند کے تعلیم یافتہ رشید ثانی مفتی اعظم مفتی رشید احمد کو بھی پتہ نہیں تھا کہ اس نے بھی اس کے خلاف لکھا ہے کہ:

''یہ مضمون حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں بلکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما کا قول ہے۔ بعض حضرات نے اسے موقوف علی السماع ہونے کی وجہ سے بحکمِ مرفوع قرار دیا ہے مگر اس کا اس لیے یقین نہیں کیا جا سکتا کہ اسرائیلیات سے لینے کا احتمال ہے کما قال الحافظ عماد الدین ابن کثیر رحمہ اللہ تعالی۔

(احسن الفتاوی، ص ۵۰۷ ج ۱)

ساجد خان اگر اپنے رشیدِ ثانی مفتی رشید احمد لدھیانوی کا ہی فتوی پڑھ لیتا تو شاید اس اثر کے بارے میں طبع آزمائی کرنے کی ہمت نہ کرتا قارئینِ کرام اس فتوے سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ ساجد خان نے جس اثر کو صحیح ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے اس کے متعلق اس کے بڑے کیا کہتے ہیں چنانچہ احسن الفتاوی سے جواب ملاحظہ فرمایئے:

قال الحافظ رحمه الله تعالى عن بن عباس فى هذه الآية ومن الأرض مثلهن قال فى كل أرض مثل إبراهيم ونحو ما على الأرض من الخلق هكذا أخرجه مختصرا وإسناده صحيح وأخرجه الحاكم والبيهقى من طريق عطاء بن السائب عن أبى الضحى مطولا وأوله أى سبع أرضين فى كل أرض آدم كآدمكم ونوح كنوحكم وإبراهيم كإبراهيمكم وعيسى كعيسى ونبىٌ كنبيكم قال البيهقى إسناده صحيح إلا أنه شاذ بمرة (فتح البارى ص ۲۰۹ ج ۶)

وقال الحافظ ابن كثير رحمه الله تعالى وهكذا ما يذكره كثير من أهل الكتاب وتلقاه عنهم طائفة من علمائنا من أن هذه الأرض من تراب والتى تحتها من حديد والاخرى من حجارة من كبريت والاخرى من كذا فكل هذا إذا لم يخبر به ويصح سنده إلى معصوم فهو مردود على قائله.

وهكذا الأثر المروى عن ابن عباس أنه قال :فى كل أرض من الخلق مثل ما فى هذه حتى آدم كآدمكم وإبراهيم كإبراهيمكم فهذا ذكره ابن جرير مختصرا واستقصاه البيهقى فى الأسماء والصفات وهو محمول إن صح نقله عنه على أنه أخذه ابن عباس رضى الله عنه عن الإسرائيليات(البداية والنهاية ص ٢١ ج١)

و قال العلامة الالوسى رحمه الله تعالى والمثلية تصدق بالاشتراك فى بعض الأوصاف فقال الجمهور :هى ههنا فى كونها سبعاً وكونها طباقاً بعضها فوق بعض بين كل أرض وأرض مسافة كما بين السماء والأرض وفى كل أرض سكان من خلق الله عز وجل لا يعلم حقيقتهم إلا الله تعالى ، وعن ابن عباس أنهم إما ملائكة أو جن ، وأخرج ابن جرير .وابن أبى حاتم .والحاكم وصححه .

والبيهقى فى شعب الايمان وفى الأسماء والصفات من طريق أبى الضحى عنه أنه قال فى الآية :سبع أرضين فى كل أرض نبى كنبيكم وآدم كآدم ونوح كنوح وإبراهيم كإبراهيم وعيسى كعيسى ، قال

الذهبی :إسناده صحیح ولکنه شاذ بمرة لا أعلم لأبی الضحی علیه متابعاً .

وذکر أبو حیان فی البحر نحوه عن الحبر وقال :هذا حدیث لا شک فی وضعه وهو من روایة الواقدی الکذاب .

وأقول لا مانع عقلاً ولا شرعاً من صحته ، والمراد أن فی کل أرض خلقاً یرجعون إلى أصل واحد رجوع بنی آدم فی أرضنا إلى آدم علیه السلام ، وفیه أفراد ممتازون على سائرهم کنوح وإبراهیم وغیرهما فینا .

وأخرج ابن أبی حاتم .والحاکم وصححه عن ابن عمر مرفوعاً أن بین کل أرض والتی تلیها خمسمائة عام والعلیا منها على ظهر حوت قد التقى طرفاه فی السماء والحوت على صخرة والصخرة بید ملک والثانیة مسجن الریح والثالثة فیها حجارة جهنم والرابعة فیها کبریتها والخامسة فیها حیاتها والسادسة فیها عقاربها والسابعة فیها سقر وفیها إبلیس مصفد بالحدید ید أمامه وید خلفه یطلقه الله تعالى لمن یشاء وهو حدیث منکر کما قال الذهبی لا یعول علیه أصلاً فلا تغتر بتصحیح الحاکم ، ومثله فی ذلک أخبار کثیرة فی هذا الباب لولا خوف الملل لذکرناها لک لکن کون ما بین کل أرضین خمسمائة سنة کما بین کل سماء ین جاء فی أخبار معتبرة کما روى الإمام أحمد .والترمذی عن أبی هریرة الخ (روح المعانی ص ۱۲۵ ج ۲۸)

ان عبارات سے مندرجہ ذیل اُمور ثابت ہوئے۔

۱۔ یہ مضمون حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں بلکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے۔

بعض حضرات نے اسے موقوف علی السماع ہونے کی وجہ سے بحکمِ مرفوع قرار دیا ہے مگر اس کا اس لیے یقین نہیں کیا جاسکتا کہ اسرائیلیات سے لینے کا احتمال ہے کما قال الحافظ عماد الدین ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ۔

۲۔ اس کی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی طرف نسبت کی صحت میں اختلاف ہے صحت راجح معلوم ہوتی ہے اسلئے کہ حاکم کی تصحیح اگرچہ قابلِ اطمینان نہیں مگر ذہبی کی تصحیح بلا شبہ معتبر ہے اس کی وجہ بندہ کی کتاب ارشاد القاری الی صحیح البخاری میں ملاحظہ فرمائیں

۳۔ اس کی روایت میں ابوالضحی متفرد ہیں۔

بظاہر یہ امر روایت کی صحت کو مخدوش کررہا ہے کہ ایسے اعجب العجائب مضمون کو سوائے ایک شخص کے اور کوئی روایت نہیں کرتا مگر اس کا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بخوف فتنہ اسے چھپاتے تھے چنانچہ درمنثور میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے۔ لو حدثتکم بتفسیرها لکفرتم و کفرکم بتکذیبکم بها

خلاصہ یہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی طرف نسبت کی صحت راجح ہے مگر بحکم مرفوع ہونے میں کلام ہے۔

مطلب

بعض اکابر نے لکھا ہے کہ بقیہ اراضی میں مخلوق کا ہونا ثابت ہے اور لکل قوم

باد سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کی طرف انبیاء علیہم السلام بھی مبعوث ہوئے ہیں۔ نیز
یتنزل الامر بینهن سے بھی ثابت ہوا کہ سب زمینوں میں وحی نازل ہوتی ہے، اس
لیے اثر ابن عباس حقیقت پر مبنی ہے یعنی دوسری زمینوں میں بھی انبیاء علیہم السلام کی بعثت
ہوئی ہے۔ آگے دو احتمال ہیں ایک یہ کہ ان کے نام آدم، ابراہیم الخ بطور تشبیہ
ہوں۔ دوسرا یہ کہ واقعۃً ان کے بھی یہی نام ہوں نبی کنبیکم سے احتمال اول کو ترجیح
معلوم ہوتی ہے۔ مگر دوسرے محققین نے اس سے اتفاق نہیں کیا اسلئے کہ بقیہ زمینوں میں
مخلوق کا ہونا کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں۔ اور اگر مخلوق کا وجود تسلیم کر لیا جائے تو وہ
بقول ابن عباس ملائکہ یا جنات ہیں اور نبی کا انسان ہونا لازم ہے اور انسان کا صرف
جنات کی طرف مبعوث ہونا اور دوسرے انسانوں سے الگ صرف جنات ہی کی بستی میں
رہنا بعید ہے اس کے برعکس دوسری زمینوں کے جنات کی ہدایت کا اس زمین کے انبیاء
علیہم السلام سے متعلق ہونا اور ان کا یہاں آ کر ہدایت پانا کچھ بعید نہیں اور "یتنزل
الامر بینهن" میں امر سے امرِ تکوینی مراد لیا جا سکتا ہے۔ باقی رہا یہ اثر ابن عباس رضی
اللہ تعالیٰ عنہما سو اولاً تو شبہ اسرائیلیات کی وجہ سے اس کا محمل تلاش کرنے میں کاوش کی
چنداں حاجت نہیں بالخصوص جبکہ خود صاحبِ اثر بھی اسے چھپاتے تھے کما من
الدر المنثور۔

ثانیاً اس کا محمل یہ ہو سکتا ہے کہ جیسے ہماری زمین میں مبدء اور ممتاز حضرات ہیں اور اسی
طرح دوسرے طبقات میں بھی مبدء و ممتاز حضرات ہیں، کما من الروح اور نبی کنبیکم
میں نبی بمعنی لغوی ہو سکتا ہے۔ غرضیکہ

اولاً تو یہ حدیث نہیں بلکہ اثر ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہے۔

پھر اس کا ثبوت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ سے مختلف فیہ ہے،

پھر اسرائیلیات میں سے ہونے کا شبہ ہے،

پھر صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو اس کا محمل واضح ہے مگر ہوسِ نبوت کی ستم ظریفی دیکھئے کہ ایسی کمزور بنیاد پر کتنی بڑی عمارت کھڑی کر رہے ہیں کہ جب زمین کے دوسرے طبقات میں بھی انبیاء ہیں تو حضور اکرم خاتم النبیین نہ ہوئے ان کی مثال بس وہی ہے من أسس بنيانه على شفا جرف هار فانهار به في نار جهنم ،نص قرآنی اور قطعی و اجماعی عقیدے کے ناقابل تسخیر قلعہ کو مچھر کے پر سے اڑانا چاہتے ہیں اللھم خذ ھم اخذ عزیز مقتدر۔

اگر دوسرے طبقات میں انبیاء علیہم السلام کا وجود تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس سے یہ کیسے ثابت ہوا کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہوئے ہیں یا ان میں سے کوئی آپ کا ہم مرتبہ ہے تشبیہ کے لیے مساوات ضروری نہیں آپ کی نبوت کا عموم اور ختم نبوت نصوص قطعیہ سے ثابت ہونے کی وجہ سے لازماً یہی کہنا پڑے گا کہ دوسرے طبقات میں اگر انبیا گزرے ہیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل گزرے ہیں۔ آپ کی نبوت جمیع طبقات کے لیے عام ہے اس پر یہ اشکال نہیں ہو سکتا کہ آپ سے دوسرے طبقات کے استفادہ کی کیا صورت ہے؟ اسلئے کہ وہاں بستے ہی جنات ہیں اور انہیں استفادہ کے لیے ہماری زمین پر

آنے میں دقت نہیں نیز یہ بھی ممکن ہے کہ وہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صورتِ مثالیہ کام کر رہی ہو، بلکہ یہ احتمال سب انبیاء علیہ السلام میں ہے اس طرح تشبیہ اشتراک فی الاسم کو بھی شامل ہو گی یہ علی سبیل التسلیم تحریر کر دیا ہے ورنہ حقیقت وہی ہے جو ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ دوسرے طبقات میں حضرات انبیاء علیہم السلام کا وجود ثابت نہیں۔

(احسن الفتاوی، ج ۱، ص ۵۰۶ تا ۵۰۹)

جی ساجد خان! آیا دماغ ٹھکانے پر یا ابھی بھی کوئی کسر باقی ہے۔

ساجد خان نے جو ہذیان علمائے اہلِ سنّت کے خلاف لکھا ہے اس کا پورا پورا مصداق انہی کے رشیدِ ثانی دار العلوم دیوبند کے تعلیم یافتہ مفتی رشید صاحب بھی ہیں لہذا ان کے نام کے ساتھ بھی انہی القابات کا اضافہ کرے جو کچھ دیر پہلے علمائے اہلِ سنّت کے لیے لکھ رہے تھے، دیکھتے ہیں ساجد خان کب اس کا اظہار کرتا ہے۔

ایک اور فاضل دیوبند کی تحقیق بھی ملاحظہ ہو محمد اسلم قاسمی فاضل دیوبند نے سیرت حلبیہ پر ترتیب و ترجمہ کا کام اپنی حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب کی سرپرستی میں کیا اس نے لکھا کہ: ''جہاں تک ان زمینوں میں آبادی اور پیغمبروں یا ڈرانے والوں کے وجود کا تعلق ہے اس کے متعلق حضرت ابن عباسؓ کی جو حدیث پیچھے بیان کی گئی ہے اس کے بارے میں چند علماء کا قول اور تنقید تو خود علامہ حلبیؒ نے نقل کر دی ہے جس سے اس حدیث کا کمزور ہونا ثابت ہوتا ہے مزید یہ ہے کہ اس حدیث کو کتاب درمنثور نے موقوف نقل کیا ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ حدیث کی روایت اور سند کا سلسلہ صحابی تک جا کر رک جاتا ہو اور آنحضرت ﷺ تک نہ پہنچتا ہو یعنی سند کے آخر میں یہ ہو کہ فلاں صحابیؓ نے یہ کہا اور اس کے بعد حدیث بیان کر دی گئی ہو، سند اس طرح نہ ہو کہ فلاں نے فلاں صحابی سے بیان کیا اور ان صحابی نے آنحضرت ﷺ سے بیان کیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا، یہ بات بھی روایت اور سند کے نقص کی دلیل ہوتی ہے۔ تیسرے یہ کہ بعض علماء نے اس حدیث کو موضوع یعنی من گھڑت کہا ہے اور اس قول کو حضرت تھانویؒ نے بھی نقل کیا ہے''۔

(سیرۃ حلبیہ مترجم جلد اول نصف اول ص ۴۶۹، دار الاشاعت کراچی)